دیکھی ہوئی دنیا

(جلد:۵)

مالٹا اور قبرص کا سفرنامہ

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم
مفتی یوسف ابن مفتی شبیر احمد صاحب حفظہ اللہ

مفتی محمود بن مولانا سلیمان حافظ جی بارڈولی حفظہ اللہ تعالیٰ
جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک، گجرات

دیکھی ہوئی دنیا

(جلد:۵)

مالٹا اور قبرص کا سفرنامہ

افادات

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مفتی یوسف ابن مفتی شبیر احمد صاحب حفظہ اللہ

مرتب

مفتی محمود بن مولانا سلیمان حافظ جی بارڈولی حفظہ اللہ تعالیٰ

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک، گجرات

ناشر

نورانی مکاتب

تفصیلات

نام کتاب:.............................دیکھی ہوئی دنیا (جلد پنجم)

مرتب:............مفتی محمود صاحب بارڈولی دامت برکاتہم

صفحات:..................................240

ناشر:.................نورانی مکاتب

www.nooranimakatib.com

ملنے کے پتے

مولانا یوسف صاحب بھانا، محمودنگر، ڈابھیل۔9558174772

Email id: yusuf_bhana@hotmail.com

ادارۃ الصدیق ڈابھیل، گجرات۔99048,86188 \ 99133,19190

مدرسہ فاطمۃ الزہراء، بارڈولی، سورت، گجرات.9099405959

خواجہ بھائی، صلابت پورا، سورت.9979582212

فہرستِ مضامین

حضرت شیخ الہندؒ اور تحریکِ ریشمی رومال

حضرت شیخ الہندؒ اور مالٹا کی قید

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کے ساتھ برطانیہ سے مالٹا اور قبرص کا سفر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

کتاب پڑھنے سے پہلے

الحمد للہ رب العالمين الذي قال : **وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾**(الزخرف) والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين الذي قال : ثلاث دعوات مستجابات لاشكّ فيهن : دعوة المظلوم ودعوة المسافر و دعوة الوالدين على ولدهما . (الترمذي و ابوداؤد) و على آله و صحبه الذين قاموا لإقامة الدين و بإشاعة الدين في أنحاء العالم، أمابعد!

تقریباً نو(۹) سال سے برطانیہ کا ایک اصلاحی، دینی ودعوتی سفر کا سلسلہ ہے، ابھی کچھ عرصے سے ہمارے برطانیہ کا یہ سفر حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب جوتوحید الاسلام نامی اسکولوں کے سلسلے کے اہم ذمے دار ہیں اور حضرت مولانا مفتی یوسف ابن مفتی شبیر صاحب وغیرہ حضرات سفر کے ناظم ہوتے ہیں۔

برطانیہ کے مختلف دارالعلوم اور مساجد میں دینی واصلاحی بیانات کا سلسلہ ہوتا ہے، ذکر کی مجالس ہوتی ہیں، کئی جگہوں پر بخاری شریف کا ختم اور افتتاح اور کئی مدرسوں میں سالانہ اجلاس ہوتے ہیں، علما کی مجلس، عمومی مجلس، مستورات کی مجلس ہوتی ہے۔

اللہ کے فضل وکرم سے بعض مرتبہ ایک ایک دن میں سات سات پروگرام

تک ہوتے ہیں اور حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب اور مفتی یوسف صاحب بہت ہی عمدہ اور بہترین نظام مرتب فرماتے ہیں جس کی برکت سے اور ان کی فکروں اور کوششوں سے یہ تمام پروگرام خیر و عافیت کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ ان اسفار کی مزید تفصیل ''دیکھی ہوئی دنیا جلد چہارم'' کے ''پیش لفظ'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارے حضرت، شیخ الحدیث مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کی عمر، صحت اور عافیت میں خوب برکت عطا فرمائے، پیرانہ سالی کے باوجود محض دین کی فکر میں یہ پورا سفر خوشی خوشی اور پوری مستعدی کے ساتھ طے فرماتے ہیں اور ہر جگہ بیان، وعظ و نصیحت، بیعت اور ذکر کی مجالس تمام بہ حسن وخوبی انجام پاتی ہیں۔

سالِ گذشتہ حضرت مولانا حنیف صاحب دودھ والا اور ان کی تنظیم (مسلم ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ بلیک برن) کے اصرار پر البانیا اور اس کے اطراف کے ملکوں کا سفر ہوا جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کی معیت کی سعادت ہم کو حاصل ہوئی، اس کی پوری کارگزاری ''دیکھی ہوئی دنیا'' کی چوتھی جلد میں اردو اور گجراتی دونوں زبانوں میں شائع ہوئی اور انگریزی زبان میں بھی شائع ہوئی۔

مالٹا کا سفر

ایک عرصے سے ہمارے دلوں کے اندر یہ داعیہ تھا کہ مالٹا کا بھی سفر ہونا چاہیے، مالٹا کے سفر کی مختلف وجوہات تھیں:

اس میں ایک اہم وجہ یہ تھی کہ ایسے ممالک کہ جہاں عام طور پر ہمارے حضرات

اکابرین اور علما و مصلحین کا جانا آنا نہیں ہوتا ایسی جگہ جا کر دینی و اصلاحی مجالس قائم ہوں اور اللہ کا ذکر زندہ ہو اور جو سلسلے پہلے سے جاری ہیں ان کو تقویت ملے۔

مالٹا کے سلسلے میں دوسری ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور ان کے رفقا ہمارے ملک بھارت کی آزادی کی خاطر وہاں ایک لمبے عرصے تک قید میں رہے؛ لہٰذا ہمارے یہ اکابرین جس سرزمین پر مقیم رہے اس جگہ کو بھی ہم دیکھیں۔

تیسرا ایک اہم ترین مقصد یہ تھا کہ ایسے علاقوں میں جا کر مسلمانوں کی دینی اور ملی اعتبار سے کیا ضروریات ہے اس پر توجہ دی جائے اور جو حضرات اس طرح کی خدمات انجام دیتے ہیں ان کو اس کی طرف توجہ دلائی جائے۔

چوتھا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں آپس میں باہمی ربط و ملاقات، دینی اعتبار سے فکر، مذاکرے اور مشورے ہوں۔

اس سال ۱۴۴۰ھ میں حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم (جانشین: فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ) کا رمضان جامعہ ڈابھیل میں ہوا اور رمضان کے بعد شوال میں ترتیب کے مطابق شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری، حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم، حضرت قاری عبدالحنان صاحب اور بندہ محمود کا برطانیہ کا دینی، دعوتی و اصلاحی سفر طے ہوا تو اس میں مالٹا کو بھی شامل کیا گیا؛ لہٰذا ہم عید ہی کے دن شام کو احمد آباد کے لیے روانہ ہوئے۔

ڈابھیل سے احمد جاتے ہوئے پیرِ طریقت حضرت مولانا قمر الزماں صاحب کی ملاقات کی غرض سے کنتھاریہ حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔

احمد آباد سے امارات کی فلائٹ سے دبئی پہنچے اور دبئی سے فلائٹ روانہ ہوئی تو پہلے قبرص میں تقریباً ایک گھنٹہ ہوائی جہاز رُکا، ہم نے ہوائی جہاز میں بیٹھے بیٹھے فتحِ قبرص کے موقع پر اللہ کے جن بندوں نے جان و مال کی قربانیاں پیش کی تھیں ان کے لیے ایصالِ ثواب و دعائے مغفرت کا اہتمام کیا اور حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا اور ان کا واقعہ نظروں کے سامنے رہا اور جہاز کی کھڑکیوں اور دروازے سے قبرص۔جس کو اس وقت سائپرس کہتے ہیں۔کی زیارت کی، پھر ہم لوگ مالٹا پہنچے۔

مالٹا میں ہمارا قیام دو رات رہا اور جو کچھ وہاں دیکھا، جو کچھ وہاں کیا اس کی پوری کارگزاری اس کتاب میں آپ کو پڑھنے کو ملے گی۔

حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کا ویزا کا معاملہ کچھ پس و پیش ہوا جس کی وجہ سے حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم کا سفر بعد میں ہوا اور اُس سفر میں حضرت قبرص بھی تشریف لے گئے، اس کی بھی پوری کارگزاری اس کتاب میں شامل ہے۔

پھر مالٹا سے برطانیہ کا دینی و اصلاحی دورہ ہوا اور پھر برطانیہ سے ہم لوگ پیرس گئے، وہاں تین دن تک حضرت مولانا ہارون صاحب کی دعوت پر ہم مقیم رہے اور بہت ساری دینی و اصلاحی مجالس ہوئیں، یہ ہمارا پیرس کا تیسرا سفر تھا اور بحمد اللہ! پھر پیرس ہی سے دبئی ہوتے ہوئے احمد آباد اور ڈابھیل واپسی ہوئی۔

اس کتاب کے متعلق کچھ ضروری اور اہم باتیں:

① اس پوری کارگزاری میں حضرت مولانا مفتی یوسف ابن مفتی شبیر صاحب نے بہت عرق ریزی سے سفر نامہ تیار کیا اور انھوں نے قبرص کی حاضری کی مناسبت

سے حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا سے مروی روایتوں کا ایک جز وبھی عربی میں تیار کیا اور عزیزِ مکرم مولانا اسحاق صاحب ابن فیروز در، گودھروالے نے اس کا اردو میں بہترین ترجمہ کیا، وہ بھی اس کتاب میں شامل ہے۔

میں حضرت مفتی عبدالحمید صاحب، مفتی یوسف صاحب، مولانا حنیف دودھ والا صاحب اوران کی تنظیم کے تمام حضرات کا بے حدممنون ومشکور ہوں جنھوں نے اس سفر کا نظام بنایا اوراس کتاب کی اشاعت میں مالی وعلمی مواد کے اعتبار سے ہر طرح کا تعاون فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا جو مضمون ''مالٹا اور قبرص کا سفر'' کے نام سے البلاغ میں شائع ہوا ہے وہ بھی بعینہ اس کتاب کی زینت ہے اوراس سفر کی نسبت سے برادرِ مکرم مفتی یوسف صاحب نے حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کو جو علمی سوالات کیے تھے وہ بھی اس کتاب کا اہم ترین حصہ ہے، تمام قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ سفر نامے کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ الاسلام سے کیے ہوئے استفسار اوران کی مجالس کو بھی غور سے پڑھیں اوراس کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں۔

مالٹا کی اسارت کی کارگزاری حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے خود لکھی ہے جس کا نام ''سفر نامہ اسیرِ مالٹا'' ہے، اس میں سے بھی بعض اہم اہم باتیں ہم نے بطورِ اقتباس الفاظ میں تسہیل کر کے اس کتاب میں شامل کی ہیں، وہ بھی اس کتاب کا اہم ترین حصہ ہے؛ چوں کہ اسارت کے زمانے میں حضرت شیخ الہندؒ کی مشغولیات، آپ کے علمی وعملی کارنامے عجیب وغریب ہیں، ان میں سے قرآن کا ترجمہ آپ کا عدیم النظیر کارنامہ ہے، اسی طرح خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق

مضبوط کیا! یہ سب چیزیں بھی ہمارے لیے واقعی نصیحت کا سامان ہیں۔

مالٹا کے متعلق سید الملّۃ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب کی کتاب ''اسیرانِ مالٹا'' اردو اور انگریزی زبان میں اور خود حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ نے اسارت کا جو سفر نامہ لکھا ہے، یہ سب کتابیں بہت ہی اہم اور مستند ہیں، یہ سب دیکھنی چاہیے۔

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا اور فتحِ قبرص کے سلسلے کی احادیث بخاری شریف میں متعدد بار آئی ہیں، ان احادیث کی تشریح محدّثِ عصر حضرت مولانا شیخ یونس صاحب جونپوریؒ کے بخاری کے سبق کی آڈیو کلپ۔ جو مفتی یوسف صاحب نے ارسال کی تھی اس کو بھی قلمبند کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے قبرص کی فتح اور وہاں کے واقعے پر بہت کچھ روشنی ملتی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اِس کتاب کو بے انتہا قبول فرمائے، اس کتاب کی تیاری میں جن جن لوگوں نے جس طرح کا حصہ لیا ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، اس کو میرے لیے، مفتی یوسف صاحب کے لیے، میرے اکابرین کے لیے اور امت کے لیے اللہ تعالیٰ خیر و برکت اور رحمت کا ذریعہ بنائے، ہمارے تینوں اکابر: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی صاحب، میرے استاذ، مرشد و محسن شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم کی عمروں میں اللہ تعالیٰ عافیت سے برکت عطا فرمائے اور ان حضرات کا فیض ملک ملک میں جاری ہو، آمین۔

بندہ: (مفتی) محمود حافظجی عفی عنہ

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

مؤرخہ: ۲۵/رجب ۱۴۴۱ھ، مطابق ۲۱/مارچ ۲۰۲۰ء

شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب اور ان کے رفقا کے ساتھ

مالٹا کا سفر

از: مفتی یوسف شبیر احمد برطانیا

نوٹ: یہ انگریزی سفرنامہ کا خلاصہ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

آج سے تقریباً سو سال پہلے ہندوستان کی ایک بہت بڑی شخصیت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہ اور ان کے رفقا ہندوستان سے چار ہزار میل کے فاصلے پر مالٹا کے جزیرے میں قید کیے گئے تھے، جو اُس وقت برطانیہ کی حکومت کے ماتحت تھا۔

آپ کا لقب ''شیخ الہند'' تھا؛ مگر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ آپ کے لیے ''شیخ الہند'' کے بجائے ''شیخ العالم'' کا لقب پسند فرماتے تھے، جیسا کہ آپ کے ملفوظات میں یہ بات مذکور ہے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ کو حجازِ مقدس میں گرفتار کر کے مصر اور پھر مصر سے مالٹا لے جایا گیا، آپ کے ساتھ آپ کے شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور دوسرے کچھ رفقا تھے، یہ دو شخصیتیں ایسی ہیں جنھوں نے سلطنتِ عثمانیہ کی تائید میں ایک زبردست کارنامہ انجام دیا اور اسی طرح ہندوستان کی آزادی میں ان کی خدمات مشہور ہیں۔

یہ حضرات ۱۹۱۷ء سے لے کر ۱۹۲۰ء تک تین سال سے کچھ زیادہ مالٹا میں قید رہے اور یہ شاید ان کی قربانی کی سب سے نمایاں اور سب سے مشہور مثال ہے جس کا اقرار مسلمان تو کرتے ہی ہیں، غیر مسلم بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔

اسیرانِ مالٹا

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے ''سفرنامہ اسیرِ مالٹا'' میں تفصیل کے ساتھ ان تمام واقعات اور اسباب کا تذکرہ کیا ہے جن کی وجہ سے انھیں قید کیا گیا تھا، ان تمام تفصیلات کا خلاصہ آپ نے اپنی کتاب ''نقشِ حیات'' میں بھی ذکر کیا ہے۔

پہلے شریفِ مکہ حسین ابن علی نے مکہ میں ان حضرات کو گرفتار کیا تھا۔

یہ حسین ابن علی اردن کے ملک عبداللہ ثانی کے دادا کا دادا ہے، اس نے سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف انگریزوں کے ساتھ مل کر بغاوت کردی تھی اور ''ملک الحجاز'' لقب لے کر حجاز پر قبضہ کرلیا تھا۔

پھر ۲۴/صفر ۱۳۳۵ھ، مطابق ۲۰/دسمبر ۱۹۱۶ء کو شیخ الہندؒ اور ان کے رفقا جدہ میں انگریز کی قید میں داخل کیے گئے۔

تقریباً تین ہفتے کے بعد ۱۸/ربیع الاول، مطابق ۱۲/جنوری بروز جمعہ ان حضرات کو جدہ سے قاہرہ منتقل کیا گیا اور وہاں ''جیزہ'' کی جیل میں چند دن رکھا گیا۔

پھر اس کے بعد ۲۹/ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ، مطابق ۲۱/فروری ۱۹۱۷ء کو یہ حضرات مالٹا پہنچے اور تین سال تک یہاں ان کو قید میں رکھا گیا۔

اس کے بعد ۲۲/جمادی الثانیہ ۱۳۳۸ھ، مطابق ۱۲/مارچ ۱۹۲۰ء کو یہ حضرات مالٹا سے مصر بھیجے گئے، اس کے بعد کچھ دن سوئز میں رہے اور پھر ۵/رمضان ۱۳۳۸ھ، مطابق ۲۲/مئی ۱۹۲۰ء کو یہ حضرات سوئز سے بمبئی کے لیے روانہ ہوئے اور

۲۰/ رمضان ۱۳۳۸ھ کو بمبئی پہنچے۔

ہندوستان پہنچنے کے چند ہی مہینوں کے بعد ۱۸/ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ، مطابق ۳۰/نومبر ۱۹۲۰ء کو حضرت شیخ الہندؒ کا انتقال ہوگیا؛ لیکن آپ کی فکروں اور مشن کو آپ کے خادم اور شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے برابر جاری رکھا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا انتقال ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں ہوا۔

سفر نامہ اسیر مالٹا سے کچھ فقہی مسائل

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ''سفر نامہ اسیرِ مالٹا'' کو پڑھنے کے دوران کچھ فقہی مسائل نظر آئے تو سوچا کہ اس کو قارئین کے افادے کے لیے یہاں درج کردیا جائے:

① حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی زندگی ہی میں سفرِ حجاز سے پہلے میراث تقسیم کردی تھی۔ (ص:۳۸)

اس سلسلے میں حضراتِ فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص زندگی میں اپنی میراث تقسیم کرنا چاہے تو میراث کے قوانین کے حساب سے تقسیم کرے گا یا ہبہ کے مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے؟ بالفاظِ دیگر اگر کسی کے بیٹے بھی ہیں اور بیٹیاں بھی ہیں، اب اگر ہبہ کا حکم اس پر لگایا جائے تو اس میں مساوات اور برابری ضروری ہے اور اگر میراث کا حکم لگایا جائے تو اس میں ''للذکر مثل حظ الانثیین'' کا قاعدہ چلے گا۔

بہرحال! یہ اختلافی مسئلہ ہے جس کی تفصیل میں نے اپنے ایک فتویٰ میں مفصلاً ذکر کی ہے، جو بندے کی ویب سائٹ ''IslamicPortal.co.uk'' پر موجود ہے،

جس کا حاصل یہ ہے کہ ''للذ کر مثل حظ الانثیین '' پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

(۲) مولانا حسین احمد مدنیؒ نے پورے قرآن کا حفظ مالٹا کے قیام کے دوران فرمایا اور شیخ الہندؒ کو رمضان میں نوافل میں تراویح کی نماز کے بعد سناتے تھے۔(ص:۱۹۴)

اس کی وجہ یہ تھی کہ جو دوسرے قیدی حضرات تھے وہ ''الم تر '' پڑھنے کے عادی ہو چکے تھے،تو شیخ الہندؒ نے اس کو بدلنے پر اصرار نہیں کیا اور اسی طرح چلنے دیا؛ لیکن پھر اس کے بدلے میں نوافل میں حضرت مدنیؒ سے پورا قرآنِ مجید سن لیا، اس سے حضرت شیخ الہندؒ کے تفقہ واعتدال کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسی طرح قید ہونے سے پہلے طائف میں حضرت شیخ الہندؒ اوران کے رفقا نے مخصوص حالات میں اسی طرح تراویح کی نماز ''الم تر '' سے ادا کی تھی۔(ص:۶۸)

(۳) مدینہ منورہ کے قیام کے دوران حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے وہاں کے مقامی علما وطلبہ کو ''اوائلِ سنبلیہ'' پڑھ کر اجازتِ حدیث مرحمت فرمائی، پھر حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ:اس طرح اوائلِ سنبلیہ پڑھ کر اجازت دینا یہ ہمارے بزرگوں کا طریقہ رہا ہے۔(ص:۴۹)

اِس سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ:اوائلِ سنبلیہ پڑھ کر اجازتِ حدیث دینا یہ ہمارے اکابر کا طریقہ رہا ہے۔

(۴) حضرت شیخ الہندؒ اوران کے ساتھیوں کو جیل میں جو گوشت دیا جاتا تھا اس کو وہ نہیں کھاتے تھے؛البتہ دوسرے بہت سے قیدی ضرورت کی بنا پر اس کو کھا لیتے تھے ؛لیکن حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے کہ: یہ اضطراری حالت نہیں ہے کہ اس کو جائز

قرار دیا جائے۔

یہاں پر جو قابلِ غور بات ہے وہ یہ کہ: شیخ الہندؒ نے اپنے رفقا کو اس بات کی اجازت دی تھی کہ وہ حرام یا مشکوک گوشت غیر مسلم کو بیچ سکتے ہیں؛ یعنی جو گوشت ان کو جیل میں مفت دیا جاتا تھا اس کو وہ غیر مسلموں کو بیچ سکتے ہیں؛ اس بنا پر کہ دار الحرب میں غیر مسلموں کے ساتھ اس طرح کے معاملات جائز ہیں اور مسئلہ بھی اسی طرح ہے؛ لیکن اس کے باوجود شیخ الہندؒ کا اتنا احتیاط تھا کہ انھوں نے مولانا حسین احمد مدنیؒ سے کہا کہ: کسی فقہی کتاب میں اس مسئلے کو دیکھ لیا جائے۔

اس وقت مولانا کے پاس کنز الدقائق کی ایک شرح تھی تو اس میں مسئلہ کو دیکھا تو وہ مسئلہ اسی طرح تھا۔

⑤ حضرت شیخ الہندؒ نے متعدد مرتبہ ان کاغذات پر دستخط کرنے سے منع کیا جس میں سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف باتیں تھیں۔ (ص: ۷۳)

حالاں کہ بھارت کبھی بھی سلطنتِ عثمانیہ کی خلافت کے ماتحت نہیں رہا ہے؛ لیکن یہ غیرتِ ایمانی اور حمیتِ دینی کی بات تھی کہ عثمانی خلافت کی حمایت کو وہ اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔

⑥ حضرت شیخ الہندؒ نے انگریزوں کے سامنے اس بات کو ظاہر کرنے کے لیے کہ ''وہ کسی غم اور ٹینشن میں نہیں ہے؛ بلکہ خوش ہیں'' کچھ ترکی افسران کو اس بات کی اجازت دی تھی کہ وہ رقص کریں۔ (ص: ۱۲۰)

❀❀❀

ترتیب وار سفر نامہ: پہلا دن: جمعرات، ۶/جون ۲۰۱۹ء

مالٹا کے لیے روانگی

مشورے سے یہ بات طے پائی کہ برطانیہ سے بندہ راقم السطور اور کچھ حضرات حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب اور ان کے رفقا کے ساتھ سفر میں شریک رہیں گے، ہمارے قافلے میں برطانیہ سے مولانا حنیف صاحب دودھ والا، مولانا رفیق صاحب صوفی، ڈاکٹر مولانا اثمر اکرم صاحب اور لیسٹر سے عابد بھائی دمنی ہمارے ساتھ تھے۔ مانچسٹر ائیر پورٹ سے صبح چھ بجے ہماری فلائٹ تھی، ساڑھے تین گھنٹے کا سفر کرتے ہوئے تقریباً ساڑھے دس بجے ہم مالٹا ائیر پورٹ پہنچے، برطانیہ اور مالٹا میں وقت کے اعتبار سے ایک گھنٹے کا فرق ہے۔

مالٹا کا تعارف

''مالٹا'' (یورپ کے جنوب میں واقع متعدد) جزیروں کا مجموعہ ہے، جن میں سے تین آباد ہیں: (۱) مالٹا۔ (۲) غوزو (Gozo)۔ (۳) کومینو (Comino)۔

ان میں اصل اور سب سے بڑا جزیرہ ''مالٹا'' ہے۔

مالٹا کی راجدھانی (Capital) ''ولیٹا'' (Valetta) ہے۔

تمام جزیروں کی پوری آبادی تقریباً چار لاکھ پچھتر (475.000) ہے۔

مالٹا کے شمال میں اسّی (۸۰) کلومیٹر کے فاصلے پر ''اٹلی'' واقع ہے اور مغرب کی جانب میں تقریباً تین سو (۳۰۰) کلومیٹر پر ''تونس'' واقع ہے اور جنوب کی جانب

میں تقریباً تین سو(۳۰۰) کلومیٹر ہی پر ''لیبیا'' واقع ہے۔

اس جزیرے کے محلِ وقوع کی وجہ سے تاریخی طور پر اس کو بہت ہی اہمیت حاصل رہی ہے؛ بالخصوص عسکری لحاظ سے۔

کسی دور میں اس جزیرے پر مسلمان نے بھی حکومت کی ہے۔

یہ بہت پرانا جزیرہ ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے بھی چھ ہزار سال قبل تک اس کے آثار ملتے ہیں۔ یہاں پر بہت سے تاریخی آثار ہیں۔

۱۸۱۵ء میں مالٹا برطانوی حکومت کی کالونی بن گئی، پھر برطانوی لشکر کا مقام بنا، اسی وجہ سے برطانوی حکومت اس کو قیدیوں کے لیے استعمال کیا کرتی تھی؛ تاکہ قیدیوں کو انگلینڈ نہ لے جانا پڑے اور یہی وہ دور تھا جس میں حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے رفقا کو یہاں قید کیا گیا تھا۔

۱۹۶۴ء میں مالٹا کو آزادی حاصل ہوئی اور یہ مستقل ملک بن گیا۔

۲۰۰۴ء میں یوروپین یونین eu کا بھی حصہ بن گیا؛ اسی وجہ سے بھارتی پاسپورٹ والوں کو ویزا کی ضرورت پڑتی ہے۔

مالٹا کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف باتیں بیان کی گئی ہیں، جن میں زیادہ مشہور یہ ہے کہ ''مالٹا'' کا لفظ یونانی لفظ ''میلی'' سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں ''شہد''؛ کیوں کہ یونان ہی کے زمانے سے یہاں کا شہد بہت خاص شمار ہوتا ہے۔

ایئرپورٹ پر استقبال

الحمدللہ! ایئرپورٹ پر ہمارے میزبان شیخ مُوَفَّق اور شیخ بدر نے ہمارا استقبال

کیا۔

شیخ موفق لبنانی تاجر ہیں جو مالٹا میں چالیس سال سے مقیم ہیں،تبلیغی جماعت سے ان کا خصوصی تعلق ہے،اسی تبلیغی جماعت کے تعلق کی برکت سے ہمارا ان سے رابطہ ہوا تھا،مولانا ہارون صاحب ہتھورنی نے ۔جو پیریس میں مقیم ہے۔ہمیں پیریس مرکز سے ان کا رابطہ دیا تھا۔

ان کے ساتھی شیخ بدر یہ فلسطینی ہے،انگریزی،عربی اور مقامی مالٹی زبان کے ماہر ہیں،اسی ترجمہ کرنے کے میدان میں وہ کام کرتے ہیں،وہاں کے حکومتی اداروں سے بھی ان کے اچھے روابط ہیں۔

مسجد ''الفاتح'' اور مالٹا میں کل مسجدیں اور مسلمان

ہم لوگ ائیر پورٹ سے سیدھے فلوریانا (Floriana) میں مسجد ''الفاتح'' پہنچے، یہ مسجد ائیر پورٹ سے پندرہ منٹ کے فاصلے پر ہے، یہ مسجد در حقیقت وزارتِ تعلیم کی عمارت (Complex) میں ہے اور حکومت نے یہ مسلمانوں کے استعمال کے لیے دی ہے۔

شیخ بدر نے ہمیں بتایا کہ: مالٹا میں تقریباً تیس ہزار مسلمان ہیں اور پچھلے چند سالوں میں لیبیا (Libya) اور سیریا (Syria) سے بہت سارے پناہ گزین مہاجرین یہاں پہنچے ہیں۔

ہمارے میزبان نے یہ بھی بتایا کہ: یہاں قادیانی بھی ہیں، ان کی تعداد کم ہیں؛ لیکن وہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ حکومت کے ذمے داروں اور میڈیا والوں کے

ساتھ ان کا رابطہ ہو، عید کے موقع پر وہ حضرات پارٹیاں کرتے ہیں اور خاص طور پر حکومت کے ذمے داروں کو بلاتے ہیں، شیخ بدر نے ہم سے درخواست کی کہ: قادیانیوں اور ختمِ نبوت کے سلسلے میں علمائے کرام کے فتاویٰ اور دستاویز وغیرہ بھیجیں۔

مالٹا میں عربیت کا اثر ورسوخ

مالٹا میں حکومتی زبان مالٹی اور انگلش ہے، ہم لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ: مالٹی زبان عربی زبان سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔

تاریخی اعتبار سے ۲۵۵ھ، مطابق ۸۷۰ء میں مسلمانوں نے مالٹا کو فتح کیا تھا اور ۱۰۹۱ء تک مسلمانوں کی حکومت رہی، اس کے بعد عیسائیوں کی حکومت آگئی اور مسلمان عیسائیوں کی حکومت میں سو، ڈیڑھ سو سال تک رہے، اس کے بعد عیسائیوں نے مسلمانوں پر زبردستی کی کہ: یا تو وہ اسلام کو چھوڑ دے یا مالٹا سے چلے جائے، کچھ حضرات مرتد ہو گئے اور بہت سارے لوگ مالٹا چھوڑ کر چلے گئے۔

ایک مقامی ساتھی کے کہنے مطابق کہ جو مسلمان مرتد ہو کر عیسائی بن گئے تھے ان کی زبان نہیں بدلی، اسی سے مالٹی زبان میں کافی عربی کے الفاظ آ گئے۔

کہا جاتا ہے کہ: اسلام کی سب سے نمایاں یادگار جو یہاں نظر آتی ہے وہ زبان ہے، راستے پر ہمارے یہاں روڈ (Road) لکھا ہوا ہوتا ہے تو وہاں پر Triq لکھا ہوا ہوتا ہے، اصل وہ عربی کا ''طریق'' ہے، اسی طرح بہت سارے ناموں میں یہ باتیں نظر آتی ہیں۔

بہرحال! ہم فلوریانا کی مسجد ''الفاتح'' میں دوپہر کے وقت پہنچے اور ہم نے

وہاں تھوڑی دیر آرام کیا۔

حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم اوران کے رفقا کی آمد

ہندوستان سے ہمارے معزز مہمانانِ کرام: حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری، حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور، حضرت مفتی محمود صاحب بارڈولی اور قاری عبدالحنان صاحب دو بج کر دس منٹ پر مالٹا ائیر پورٹ پہنچے۔

ہندوستان سے مالٹا کی کوئی ڈائریکٹ فلائٹ نہیں ہے؛ اس لیے وہ احمد آباد سے صبح چار بج کر پچیس منٹ پر امارات فلائٹ میں دبئی ہوتے ہوئے تیرہ گھنٹے کے بعد مالٹا پہنچے، شیخ موفق نے ائیر پورٹ پر ان کا استقبال کیا اور تین بجے کے بعد یہ حضرات مسجد ''الفاتح'' پہنچے، مسجد میں ہم سب نے ساتھ کھانا کھا کر ظہر کی نماز پڑھی اور مشورہ کر کے دو دن کی ترتیب بنادی۔

ورڈالا (Verdala) انٹرنیشنل اسکول (پیمبروک (Pembroke) قلعہ)

عصر کی نماز کی کے بعد ہم سب سے پہلے ورڈالا انٹرنیشنل اسکول گئے، اسکول کا گیٹ کھلا تھا، یہ اسکول حقیقت میں قدیم قلعہ ہے، ہم اس میں داخل ہو گئے، قلعے کے اردگرد خندق تھی وہ دیکھی اور قلعے کے اندر جو امارتیں تھیں وہ بھی دیکھنے کا موقع ملا۔

قلعہ ورڈالا،کوسپکووا(Cospicua)

قلعہ ورڈالا جوکوسپکووا (Cospicua) میں ہے یہ وہ جگہ ہے جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہاں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اوران کے رفقا قید میں رکھے گئے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے یہ بات تفصیل سے لکھی ہے کہ شروع میں ان کوروگیٹ کیمپ میں رکھا گیا، پھران کوعرب کیمپ میں منتقل کیا گیا،حضرت فرماتے ہیں کہ: روگیٹ کیمپ یہ قلعہ کے خندق کے اندر کے حصے میں ہےاور یہ قلعہ کے دروازے کے قریب ہے۔(سفرنامہ ص:۱۲۷)

حضرت فرماتے ہیں کہ: ان کیمپوں میں قیدیوں کے لیے خیمے تھے جوانگریز حکومت کی طرف سے دیے گئے تھے؛ تاہم بعض قیدیوں نے اپنے خرچ سے کچھ کچھ کچے گھر بنالیے تھے۔(ص:۱۴۰)

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: روگیٹ کیمپ خندق کے اندر ہےاورتمام خیمے کھلی جگہ میں ہیں اورکوئی عمارت نہیں ہے۔(ص:۱۵۵)

مغرب کی نماز اور مختصر پروگرام

اس روز ہم نے ''مسجد الرحمۃ'' میں ۔جوکہ ''برکرکرا(Birkirkara)'' میں واقع ہے۔مغرب کی نماز ادا کی ،نماز کے بعد حضرت مفتی احمد صاحب نے اردو میں مختصر خطاب فرمایااورراقم السطور نے عربی اورانگریزی میں اس کا ترجمہ کیا۔

پھرہم لوگ ''الفاتح مسجد'' فلوریانا میں واپس ہوئے جہاں ہمارا قیام تھا، راستے

میں مولانا حنیف دودھ والا صاحب اور راقم السطور مقامی ہوٹل سے کچھ کھانا لے آئے۔

دوسرا دن: جمعہ، ۷/جون ۲۰۱۹ء

جزیرہ مالٹا کی سیر

دوسرے دن جمعہ کو الفاتح مسجد میں فجر کی نماز قاری عبد الحنان صاحب نے پڑھائی اور مسنون قرأت کا اہتمام کیا اور فجر کے بعد مفتی محمود صاحب نے پندرہ (۱۵) یا بیس (۲۰) منٹ ذکر کے فضائل پر عربی میں وعظ فرمایا۔

اس کے بعد گاڑی کے ذریعہ ہم نے جزیرۂ مالٹا کی سیر کی اور متعدد مقامات کو دیکھا، جس میں ساحلی علاقہ بھی شامل تھا، وہاں کا منظر بہت ہی خوب صورت تھا، موسم بھی بہت اچھا تھا؛ لیکن رات کو یہاں کے موسم میں ٹھنڈک آجاتی ہے اور ٹھنڈی ہوا محسوس ہوتی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے "سفر نامہ اسیرِ مالٹا" میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ: یہاں کی آب وہوا اور یہاں کا موسم ان کے لیے بہت مشکلی کا باعث ہوتا تھا؛ بالخصوص جب کہ وہ روگیٹ کیمپ میں تھے جہاں ان کا قیام خیموں میں ہوتا تھا اور سردی کے مہینوں میں یہاں کا ٹیمپریچر ۸/ڈگری سے لے کر ۱۰/ڈگری تک ہوجاتا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: صبح کے وقت فجر کے لیے جب خیمے سے نکلنا ہوتا تھا تو اس وقت بہت ہی مشکلی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

عثمانی قبرستان (Turkish Military Cemetery)

اس کے بعد ہم نے ترکی عثمانی عسکری قبرستان کی زیارت کی۔

اس مقبرہ کی تعمیر ۱۲۹۰ھ، مطابق ۱۸۷۴ء میں سلطان عبدالعزیز عثمانی نے کروائی تھی جیسا کہ دروازے کے اوپر لکھا ہوا ہے۔

یہاں پر پہلے پرانا قبرستان تھا، پھر اس کی جگہ پر اس قبرستان کی تعمیر کروائی گئی اور آج کل ترکی حکومت ہی اس کی ذمے دار ہے اور اندر جانے کے لیے پہلے ان سے اجازت لینی پڑتی ہے۔

اس قبرستان میں بہت سارے قیدی مدفون ہیں؛ بالخصوص ترکی قیدی جن کا یہاں پر انتقال ہوا تھا؛ اسی وجہ سے اس کو ''مقبرۃ الشہداء'' بھی کہا جاتا ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقا نے بھی اس قبرستان کی کئی بار زیارت کی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ''سفرنامہ اسیرِ مالٹا'' کے ص ر ۱۷۶ پر اس قبرستان کا نقشہ بھی بتایا ہے اور یہ وہی جگہ ہے جہاں پر عثمانی اسیر جناب عثمان علی بیگ کو قتل کیے جانے کے بعد غسل دیا گیا تھا اور یہیں ان کو دفن بھی کیا گیا تھا؛ چنانچہ انھوں نے اپنے قتل کیے جانے سے پہلے حضرت شیخ الہندؒ سے یہ درخواست کی تھی کہ: وہ ان کے قتل کے وقت حاضر رہیں اور جنازے کی نماز بھی پڑھائیں۔ (ص: ۱۷۳)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقا جب بھی اس قبرستان میں تشریف لاتے تھے تو ان کی قبر پر ضرور حاضر ہوتے تھے۔ (ص: ۱۷۷)

آج یعنی ۷ر جون کو مالٹا کے اندر پبلک چھٹی (Holiday) ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۹۱۹ء میں ایک واقعہ پیش آیا تھا جس میں برطانوی فوج نے لوگوں پر فائرنگ کی تھی جس میں چار لوگ مر گئے تھے؛ چنانچہ ہر سال ۷ر جون کو یہاں پر ان کی یاد کے لیے چھٹی کا دن منایا جاتا ہے۔

بہر حال! پبلک چھٹی کی وجہ سے ہم اس قبرستان میں داخل نہ ہو سکے، باہر ہی سے ہم نے سلام پیش کیا اور دعا کی، ہماری یہ تمنا تھی کہ: حکیم نصرت حسین صاحب کی قبر کی زیارت کرتے؛ لیکن دروازہ بند ہونے کی وجہ سے ہماری یہ تمنا پوری نہ ہو سکی اور باہر سے دور تک نظارے کرتے رہے۔

حکیم نصرت صاحب جو کہ حضرت شیخ الہندؒ کے قافلے کے ایک فرد تھے ان کا انتقال ۹ر ذی القعدۃ ۱۳۳۶ھ، مطابق ۱۶ر اگست ۱۹۱۸ء کو ہوا تھا اور وہ بھی اسی قبرستان میں مدفون ہوئے تھے، ان کی جنازہ کی نماز حضرت شیخ الہندؒ نے پڑھائی تھی۔

تدفین وغیرہ کا خرچہ بھی شیخ الہندؒ اور ان کے رفقا نے اٹھایا تھا اور کرنل اشرف بیگ صاحب نے گاڑیوں کا کرایہ (Transportation) اور ان کی قبر پر جو پتھر ہے اس کا خرچہ اٹھایا تھا، جو کہ کئی پونڈ کی مقدار میں تھا۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ص: ۲۰۱ پر اس پتھر کا تذکرہ کیا ہے جو کہ ان کی قبر مبارک پر رکھا گیا تھا اور اس پتھر پر جو عربی عبارت لکھی ہوئی ہے اس کو بھی ذکر کیا ہے؛ چنانچہ وہ عربی عبارت اس طرح ہے:

هذا قبر الحكيم السيد نصرت حسين من اهل كورانجهان اٰباد ،

الهند، أسر بمكة مع حضرت العلامة الشيخ محمود حسن صدر المدرسين بكلية ديوبند في الحرب العمومي و توفي أسيرا في تاسع ذى القعدة سنة ۱۳۳۷ھ هجرة النبي سيدنا محمد ﷺ.

جمعہ کی نماز

اس کے بعد ہم فلوریانا میں ''الفاتح مسجد'' واپس ہوئے؛ جس وقت ہم مسجد میں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ لوگ جمعہ کی نماز کے لیے پہلے ہی سے آنا شروع ہو چکے ہیں؛ چوں کہ گذشتہ کل ہم نے دیکھا تھا کہ یہاں پر مصلیوں کی تعداد بہت ہی کم تھی؛ اس لیے اندازہ نہیں تھا کہ اتنے زیادہ لوگ یہاں جمعہ کی نماز کے لیے تشریف لائیں گے؛ چنانچہ کچھ بارہ سو (۱۲۰۰) کے قریب کا مجمع جمع ہو چکا تھا، بلڈنگ کے اندر بھی لوگ بیٹھے تھے اور باہر صحن میں بھی بہت سارے لوگ گرمی کے باوجود بیٹھے ہوئے تھے۔

تقریباً ایک بجے کے بعد حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم نے اردو میں بیان شروع کیا، جب آپ کا بیان شروع ہوا تو پورے مجمع پر سناٹا چھا گیا اور سب لوگ متوجہ ہو کر سننے لگے؛ حالاں کہ ننانوے فی صد لوگ اردو نہیں سمجھ رہے تھے؛ چونکہ یہاں پر اکثر لوگ یا تو عربی ہیں یا تو افریقی ہیں؛ اس لیے مولانا رفیق صاحب نے حضرت کے بیان کا انگریزی میں اور میں نے عربی میں ترجمہ کیا۔

بیان ختم ہونے پر ''شیخ بدر'' منبر پر تشریف لائے اور آپ نے عربی و انگریزی میں بہت ہی فصیح و بلیغ خطبہ دیا، اب تک تو ہم ان کی تواضع کی وجہ سے یہ سمجھ رہے تھے کہ شیخ بدر ایک عامی آدمی ہے؛ لیکن اب پتہ چلا کہ وہ ایک علمی آدمی ہے۔

شیخ موفق جو کہ ہمارے اصل میزبان تھے وہ مقامی قید خانہ میں جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے تھے، انھوں نے ہمیں بتایا کہ: تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) مسلم قیدی اس قید خانے میں ہیں، جن میں سے ساٹھ (٦۰) مسلمانوں کو آپ کے پیچھے جمعہ پڑھنے کی اجازت ہیں؛ اس لیے کہ قید خانہ میں مختلف عمارتیں ہیں، اس وجہ سے تمام حضرات بیک وقت ایک امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں۔

جمعہ کی نماز کے بعد بہت سے لوگ ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے، ان سے ملاقات کی، پھر اس کے بعد مسجد میں ہمارے میزبانوں کی طرف سے شامی انداز کے کھانے کا بندوبست کیا گیا تھا، ہم سب ساتھیوں نے مل کر کھانا کھایا۔

جزیرۂ گوزو (gozo)

پھر تین بجے ہم جزیرۂ گوزو کی طرف روانہ ہوئے جو زیادہ دور نہیں ہے، یہاں کا منظر بہت ہی زیادہ خوب صورت ہے۔

ہم وہاں پر ایک مسجد میں گئے اور اس چھوٹے سے جزیرے میں صرف یہی ایک مصلّی ہے؛ چنانچہ ہم نے وہاں عصر کی نماز پڑھی۔

شیخ بدر نے ہمیں بتایا کہ: یہاں جزیرۂ گوزو میں مستقل کوئی مسلمان آباد نہیں ہے؛ البتہ بعض مسلمان یہاں کام کے لیے آتے جاتے رہتے ہیں۔

جزیرۂ گوزو میں پرانا قید خانہ (Old Prison)

جزیرۂ گوزو میں بہت ساری تاریخی چیزیں ہیں، سب سے زیادہ مشہور ایک

پرانا شہر ''چیتا دیل (Citadel)'' ہے، اس شہر کی چاروں طرف دیواریں ہیں، اس پرانے شہر میں مختلف عمارتیں ہیں اور ایک پرانا قید خانہ (Old Prison) بھی ہے، اس قید خانہ کو تین، چار صدیوں کے لیے بطورِ قید خانہ بھی استعمال کیا گیا تھا، اور بھی دوسری بہت سی پرانی چیزیں ہیں۔

ہمارے یہاں آنے کا مقصد یہ تھا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہی قید خانہ ہے جہاں شیخ الہندؒ اور ان کے رفقا کو قید میں رکھا گیا تھا؛ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔

مسجدِ ''مریم البتول''

اس کے بعد ہم لوگ واپس جزیرۂ مالٹا پہنچے اور مغرب کی نماز ''مریم البتول'' مسجد میں پڑھی، مالٹا میں یہ سب سے بڑی مسجد ہے، معمر القذافی جب ۱۹۷۸ء میں مالٹا تشریف لائے تھے اس وقت یہاں پر مسجد کی بنیاد رکھی گئی تھی اور اس کی تعمیر کے لیے انھوں نے پیسے دیے تھے اور پھر باقاعدہ ۱۹۸۲ء میں اس مسجد کا افتتاح ہوا تھا۔

اس سے پہلے یہاں نماز پڑھنے کی کوئی مستقل جگہ نہیں تھی اور ترکی قبرستان کو بھی کبھی کبھی نماز پڑھنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ پورے ملک میں یہ واحد جگہ ہے جس کو قانونی طور پر مسجد کی حیثیت حاصل ہے، مسجد کے پڑوس میں ''مریم البتول'' نام کی ایک اسکول بھی ہے۔

ڈاکٹر محمود عبدالعزیز کے گھر پر شام کا کھانا

شام کو ڈاکٹر محمود عبدالعزیز نے اپنے مکان پر ہماری دعوت رکھی تھی، جمعہ کے

بعد جب ان سے ملاقات ہوئی تھی تب انھوں نے ہم کو دعوت پیش کی تھی۔

جب ہم ان کے گھر پہنچے اور بات چیت شروع کی تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی عام آدمی نہیں ہے؛ بلکہ یہ تو ایم پی کی حیثیت سے لیبیا کی پارلمنٹ کے ممبر رہ چکے ہیں اور ابھی بھی ''جسٹس اینڈ ڈیولپمنٹ (Jastice And Development)'' پارٹی کے ممبر ہیں، اسی طرح میڈیا پر ان کی نمائندگی بھی کرتے ہیں، حال میں وہ مالٹا میں مقیم ہیں اور ان کے انٹرویو ''الجزیرہ'' اور دیگر میڈیا چینلز پر آتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر محمود واقعی بہت ہی معزز آدمی ہیں، ان کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ: بات چیت کے دوران قرآنِ کریم کی آیات اور حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث ان کی زبان پر جاری رہتی تھی۔

عرب ضیافت کی ایک نمایاں مثال

انھوں نے ہمارا ایسا استقبال کیا کہ ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ ہم اپنے گھر ہی میں بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے بچوں نے اور ان کے دیگر گھر والوں نے بھی ہمارا خوب اکرام کیا اور بڑی محبتوں اور شفقتوں سے ہمیں نوازا، ان کی ضیافت اور ان کی محبت سے ہم بہت ہی زیادہ متأثر ہوئے؛ اس لیے کہ نہ وہ ہم سے واقف تھے، نہ ہم ان سے واقف تھے، صرف کچھ گھنٹے پہلے جمعہ کے بعد ان سے ملاقات ہوئی تھی، واقعی یہ عرب مہمانی اور عرب ضیافت کی ایک نمایاں مثال تھی۔

انھوں نے ہمیں لیبیا کے حالات سنائے اور کس طرح سعودی اور اماراتی حکومت وہاں منفی کام کر رہی ہے، اس کے بارے میں بھی کچھ باتیں بتلائی، اسی طرح

معمرالقذافی کے بارے میں بھی انھوں نے ایک معتدل اور عادلانہ تجزیہ پیش کیا کہ: وہ اپنے ملک میں تو ظالم تھا؛ لیکن اس نے ملک کے باہر کچھ اچھے کام بھی کیے تھے، جیسا کہ مالٹا کے اندر مسجد کی تعمیر کے لیے پیسے دیے تھے اور اس کی بنیاد ڈالی تھی وغیرہ۔

بہرحال! کھانا رکھا گیا اور ڈاکٹر محمود صاحب نے خود اپنے ہاتھ سے ہماری پلیٹوں میں کھانا نکالنے کا اہتمام فرمایا، ماشاءاللہ! ان کی اہلیہ نے بڑے ہی لذیذ چاول اور گوشت پکایا تھا۔

کھانے کے بعد ہم ''الفاتح مسجد'' واپس ہوئے اور شام کو آرام فرمایا؛ چوں کہ یہاں پر بیت الخلاء کا انتظام کچھ دور تھا اور حضرت مفتی صاحب کو وہاں تک جانے میں کافی تکلیف ہورہی تھی؛ اس لیے ہم نے جمعہ سے پہلے ہی یہ فیصلہ کیا تھا کہ قریب ہی گرانڈ ہوٹل ایکسلسیر (Grand Hotel Excelsior) میں حضرت مفتی احمد صاحب اور قاری عبدالحنان صاحب کا قیام رہے گا۔

تیسرا دن: سنیچر، ۸/جون ۲۰۱۹ء

الوداع

فلوریانا مسجد سے صبح آٹھ بجے ہم مالٹا انٹرنیشنل ائیرپورٹ جانے کے لیے روانہ ہوئے اور واپس ہم قبرستان والے راستے کی طرف سے گزرتے ہوئے ایئرپوٹ پر پہنچے، وہاں شیخ بدر اور شیخ موفق دونوں تشریف لائے اور ہمیں الوداع کیا اور دونوں نے ہمارا بہت ہی زیادہ اکرام کیا اور بہت ہی زیادہ خدمت کی، دعا کرتے ہیں کہ: اللہ

تعالیٰ ان کی محنتوں کو قبول فرمائے اور ہر اعتبار سے دین اور دنیا میں ترقی عطا فرمائے۔

حضرت مفتی احمد صاحب کی قیادت میں ہم نو (۹) آدمیوں کا قافلہ مالٹا سے لیڈس بڑیڈ فورڈ ائیر پوٹ کی طرف روانہ ہوا، ۱۱:۴۵ کو ہماری فلائٹ تھی، فلائٹ کچھ لیٹ تھی؛ اس لیے ہم دو بج کر تیس منٹ پر لیڈس بڑیڈ فورڈ ائیر پورٹ پر پہنچے، ائیر پورٹ پر پہلے ہی سے استقبال کے لیے تیس چالیس علما کا قافلہ جمع تھا، ائیر پورٹ سے ہم سب سے پہلے ڈیوز بری گئے جہاں پر ہمارا سب سے پہلا پروگرام تھا۔

برطانیہ کے پانچ روزہ اصلاحی پروگرام میں شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی بحمد للہ! معیت نصیب ہوئی، ان کی یہ بھی خواہش تھی کہ ہمارے ساتھ مالٹا کے سفر میں شریک ہوں؛ لیکن کچھ حالات کی وجہ سے وہ شریک نہ ہو سکے۔

خلاصہ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی پوری زندگی قربانیوں اور مخلوق کی خدمت پر مشتمل تھی۔

مفکر الامۃ حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ نے ایک مرتبہ مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ان اکابر میں سے ہیں جو صاحب السیف والقلم تھے؛ یعنی انھوں نے قلم اور تلوار دونوں کے ذریعہ جہاد کیا؛ حالاں کہ ان کے مخالفین نے ان کے خلاف بہت کچھ پروپیگنڈے کیے جس میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں اور اس طرح کی مثالیں بہت ہی کم ملتی ہیں جو دونوں کی جامع ہوں، حضرت کا ملفوظ یہاں ختم ہوا۔

راقم السطور عرض کرتا ہے کہ: حضرت شیخ الہندؒ اور شیخ الاسلامؒ کا نام بھی اسی

فہرست میں شامل کیا جاسکتا ہے، جن کی محنتیں صرف درس و تدریس تک محدود نہیں تھی ؛ بلکہ مالٹا کے اندر تین سال کی قید اور ملک کی آزادی کے لیے خدمات اور درس و تدریس اس جامعیت کی دلیل ہے۔

بیرون ممالک کے اسفار کی خاص نیتیں

بندے نے ابھی بلیک برن میں ایک خطاب میں عرض کیا تھا کہ: جب بھی ہم مکہ، مدینہ اور بیت المقدس کے علاوہ کسی بیرونی ملک کا سفر کریں تو کم از کم دو نیتیں ضرور کریں:

پہلی نیت یہ کریں کہ: وہاں کے علما سے ملیں گے، ان سے کچھ سیکھیں گے، تاریخی جگہوں پر جائیں گے اور وہاں کی تاریخ کے متعلق معلومات حاصل کریں گے اور وہاں اگر مخطوطات اور کتابیں وغیرہ ہوں گی تو ان کو دیکھیں گے اور ہو سکے تو ان کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور اگر اللہ تعالیٰ توفیق دیں گے تو بیانات بھی کریں گے، تو سیکھنا اور سیکھانا یہ ہماری پہلی نیت ہونی چاہیے۔

اور دوسری نیت یہ کریں کہ: مقامی لوگوں کی ضرورتوں کو جاننے کی کوشش کریں گے؛ خواہ ان کی دینی یا معاشی اور اقتصادی ضرورت ہو۔

یہ بھی ایک بہت بڑے اجر و ثواب کا کام ہے؛ چاہے فوراً آدمی اس وقت مدد نہ کر سکے؛ لیکن دعا تو کر سکتا ہے اور پھر بعد میں اللہ توفیق دے تو مختلف تنظیموں اور خاص لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کر سکتا ہے۔

یہ اس لیے عرض کیا کہ: مالٹا ‘‘ایک معروف سیاحتی جگہ ہے، بہت سے لوگ سیر

وتفریح کے لیے یہاں آتے ہیں اور جو وہاں کے اصل رہنے والے ہیں ان میں بھی بہت سے لوگ اب مسلمان ہورہے ہیں؛ اس لیے وہاں مسلمانوں کی آبادی بھی بڑھ رہی ہے، اسی طرح پناہ گزین بھی آرہے ہیں، ان کی بھی بہت ساری دینی اور ذاتی ضرورتیں ہوتی ہیں، تو ان کو بھی جاننے اور معلوم کرنے کی اور مدد کرنے کی ضرورت ہے۔

لہذا اگر کوئی شخص ان نیتوں کے ساتھ وہاں کا سفر کرے تو سفر بھی ہوجائے گا اور ساتھ ہی ساتھ اجر وثواب کا سبب بھی بن جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نوٹ: ایک مصری شیخ محمد عبدالرحمن الصباحی نے ایک کتاب لکھی ہے "خمس سنین فی مغاور الاسر" اس میں انھوں نے مالٹا کے اندر اپنے حالاتِ اسارت کا تذکرہ کیا ہے۔ کتاب مصر سے سب سے پہلے ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی تھی، اس کو حاصل کرنے کی کوشش جاری ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

❁❁❁

حضرت شیخ الہندؒ

اور

تحریکِ ریشمی رومال

از: (مفتی) محمود (صاحب) حافظجی (حفظہ اللہ تعالیٰ)

یہ رسالہ گجراتی زبان میں ہندوستان کی آزادی کے ہیرو:
حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی آزادی کی خاطر تحریکِ ریشمی رومال کے ۱۰۰؍سال (۱۳۳۳ھ سے ۱۴۳۳ ہجری) مکمل ہونے پر جمعیتِ علمائے ہند کے زیرِ اہتمام یک روزہ شیخ الہند سیمینار کے موقع پر بہ مقام: سردار ولبھ بھائی پٹیل میموریل ہال، شاہی باغ، اولڈ راج بھون، احمد آباد، تاریخ: ۲۸؍ ۴؍ ۲۰۱۲ سنیچر کے دن پیش کیا گیا تھا؛ چونکہ اس پروگرام میں سرکاری افسران، غیر مسلم حضرات اور اہلِ سیاست بھی موجود تھے اس لیے اندازِ تحریر میں کچھ ان کی رعایت کی گئی ہے، اب اس کا اردو ترجمہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

نوٹ: بندہ اس سیمینار میں تدریسی مشغولی کی وجہ سے خود شامل نہیں ہوا تھا؛ لیکن یہ مضمون کتابچے کی شکل میں تیار کر کے بھیجا تھا۔

نوساری میں جمعیتِ علما کا ایک عظیم پروگرام ہوا تھا، جس میں شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری، مولانا سید محمود اسعد مدنی، مفتی عباس صاحب بسم اللہ اور دیگر علما موجود تھے، اسی مجلس میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے مہتمم حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب نے اس کتابچے کا رسمِ اجرا کیا تھا۔ اناؤنسر کے یہ الفاظ تھے:

چونکہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریکِ ریشمی رومال میں حضرت مولانا احمد بزرگ سملکیؒ کا مالی تعاون تھا؛ اس لیے انھی کے پوتے مولانا احمد بزرگ صاحب کے ہاتھ سے اس کا رسمِ اجرا زیادہ مناسب ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا مختصر تعارف

آپ کا نام: محمود حسن۔

اصل وطن: دیوبند، ضلع: سہارنپور (یوپی)

تاریخِ پیدائش: ۱۸۵۱ء مطابق ۱۲۶۸ھ۔

پیدائش کی جگہ: آپ کے والد صاحب بریلی کالج میں پروفیسر تھے، اس کے بعد محکمۂ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر کی حیثیت سے ترقی ہوئی؛ اس لیے والد صاحب بریلی میں رہتے تھے اور آپؒ کی پیدائش بریلی ہی میں ہوئی؛ لیکن آپ کی پرورش دیوبند میں ہوئی۔

تاریخِ وفات: ہندستان کا یہ چمکتا سورج ۱۹۲۰ء، مطابق ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دہلی میں غروب ہوا، اور سرزمینِ دیوبند میں آپؒ کی تدفین عمل میں آئی۔

جس وقت آپؒ ملک کی آزادی کی خاطر ''مالٹا'' کی جیل میں قید تھے، اس وقت وہاں پر مختلف ملکوں کے اور بھی بہت سارے قیدی موجود تھے، ان قیدیوں میں بڑے بڑے قائدین، لشکر کے افسران وغیرہ لوگ بھی تھے۔

آپؒ جب ان لوگوں کے درمیان کچھ دن رہے تو وہ سب آپ کی دوراندیشی، عقل مندی اور علمی صلاحیت کو دیکھ کر آپ سے بہت متأثر ہوئے اور آپ سے محبت کرنے لگے اور سب اپنے اپنے ملک کی آزادی کی لیے آپ سے مشورے طلب کرنے لگے اور آپؒ سے تبادلۂ خیال کرنے لگے؛ چنانچہ وہیں پر آپؒ کو ایک سچے ہندوستانی ہونے کی پہچان کے طور پر ''شیخ الہند'' کا لقب دیا گیا۔

شیخ کا مطلب بزرگ، قائد، عالمِ دین اور ہند؛ یعنی اس زمانہ کا متحدہ ہندوستان ہے، اس طرح اس زمانہ سے لیکر آج تک ملک کے ساتھ آپ کی پہچان پوری دنیا میں مشہور ہوئی۔

تعلیم وتربیت

جب ۱۸۵۷ء میں ہندوستانیوں کی طرف سے انگریزوں کے خلاف ہتھیاروں سے لڑائی ہوئی۔ جس میں پنڈت میوارام گپتا کے لکھنے کے مطابق پانچ لاکھ مسلمانوں کو پھانسی کی سزا دی گئی اور اس میں بھی پچپن ہزار تو علمائے کرام تھے (مسلمان مجاہدین: ۲۴۰) اس لڑائی کے بعد ۱۸۶۶ء میں دیوبند میں دارالعلوم نامی ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی؛ جس کا بنیادی مقصد دین کی حفاظت اور تعلیم کے ساتھ ساتھ ملک کی آزادی بھی تھا؛ چنانچہ اس مدرسہ کے سب سے پہلے شاگرد حضرت شیخ الہندؒ ہی تھے۔

آپؒ کے اساتذہ

ایسے تو آپؒ نے بہت سارے اساتذہ سے علم حاصل کیا جن میں سرِ فہرست حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ ہیں جو ۱۸۵۷ء میں شاملی کے میدان میں انگریزوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگ کے ہیرو تھے، ایسے محبِ وطن سے آپؒ نے علم حاصل کیا۔

آپؒ کے اوصاف

① اسلام کے اعلی درجے کے عالم۔

(۲) صوفی۔
(۳) وطن سے سچی محبت کرنے والے۔
(۴) ملک کی آزادی کے خاطر سب کچھ قربان کرنے والے ایک سچے مجاہد۔

ایسے دیکھنے جائیں تو یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ: آپؒ کے اندر ملک کی محبت اور اس کو آزاد کرانے کا جو مبارک جذبہ تھا وہ دارالعلوم دیوبند اور آپ کے استاذ کی جانب سے وراثت میں ملا تھا۔

آزادی کی لڑائی میں آپ کی انمول خدمات

(۱) ۱۸۸۸ء میں ''نصرت الابرار'' نامی کتاب تیار کی گئی، جس میں ملک بھر کے ۱۰۰/ سے زائد علمائے کرام ومفتیانِ کرام کے فتاویٰ جمع کیے گئے، ان تمام فتاویٰ کا مقصد برادرانِ وطن کو آزادی کی لڑائی میں شامل ہونے کی ترغیب دینا تھا۔ اس کتاب میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا فتویٰ بھی شامل تھا، جس کی وجہ سے غیر مسلموں کو بھی آزادی کی لڑائی میں حصہ لینے کا جذبہ اور حوصلہ ملا۔ (انقلاب ۱۸۵۷: ۱۰۵، مصنف: پی۔ سی۔ جوشی)

(۲) ۱۹۰۹ء میں آپؒ نے ''جمعیت الانصار'' نامی ایک تنظیم قائم کی، جس کے ماتحت آزادی کی لڑائی کو آگے بڑھایا گیا، اس تنظیم کا اصل مقصد انگریزوں کی ظالمانہ حکومت کا خاتمہ کرنا تھا۔

(۳) ۱۹۱۴ء میں یاغستان، باجور، اور زیگی میں انگریزوں کے خلاف ہتھیاروں سے لیس لڑائی آپؒ کی رہنمائی میں شروع ہوئی۔

④ریشمی رومال کی تحریک

۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی طویل خفیہ وخاموش تیاریوں کے بعد انگریزی حکومت کے خاتمہ کے لیے اپنے خصوصی منصوبے کے تحت یہ فیصلہ کیا کہ ملک بھر میں بغاوت کے ساتھ ساتھ بیرونی طاقتوں کے ذریعہ سرحدوں سے حملے کیے جائے اوراس کام کے لیے اپنے خاص بھروسے والے شاگردِ رشید ''مولانا عبیداللہ سندھیؒ'' کو کابل (افغانستان) بھیجا، کابل میں یکم دسمبر ۱۹۱۵ء کوآزاد ہند حکومت تشکیل میں لائی گئی، جس کا صدرراجہ مہندر پرتاپ کو بنایا گیا۔

(They too fought for India's freedom : The role of minorities by A.A.Engineer)

بے مثال قومی اتحاد

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ مسلم اکثریتی ملک افغانستان اوروہاں کے مسلمان ہی آزاد ہند حکومت کوتشکیل دیں اوراس کا صدر ہندو بادشاہ کو بنائیں، یہ مسلمانوں کے قومی اتحاد کا بے مثال جذبہ ہے!!!

مختلف ممالک میں انگریزوں کے خلاف امداد کی غرض سے محنت

اس غرض سے افغانستان، ترکی، شام، جاپان وغیرہ ممالک میں وفود روانہ کیے گئے، نیز حضرت شیخ الہندؒ بھی ۱۸ر ستمبر ۱۹۱۵ء کو بذاتِ خود حجاز روانہ ہوئے اوروہاں کے گورنر غالب پاشااورانور پاشا سے اس سلسلے میں گفتگو ہوئی؛ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا

اور پورے منصوبے کا راز ظاہر ہو گیا اور پورے ہندوستان میں سے تقریباً ۲۲۲ ؍ تحریک کے ذمے داروں کو گرفتار کرلیا گیا۔

صفر المظفر ۱۳۳۵ھ، مطابق ۱۹۱۷ء کو حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عزیر گلؒ، حکیم نصرت حسین، مولانا وحید احمد فیض آبادی کو انگریزوں کے کہنے پر حجاز سے گرفتار کر کے یورپ کے جزیرے مالٹا کی ایک جیل میں قید کرلیا گیا۔

مولانا آزادؒ کو رانچی میں نظر بند کیا گیا، مولانا سندھیؒ اور مولانا محمد میاں انصاریؒ کو لمبے زمانے تک جلا وطنی کا سامنا کرنا پڑا، یہ تحریک تاریخ میں ''ریشمی رومال'' کے نام سے مشہور رہے۔

نوٹ: اس تحریک کی خفیہ تحریر ریشم کے رومال پر لکھی گئی اور اس کے پھول بنا کر پھولوں کی شکل میں ایک دوسرے کے پاس پہنچائی گئی تھی؛ اس لیے اس کا نام ''تحریکِ ریشمی رومال'' رکھا گیا تھا۔

مالٹا کی قید سے رہائی

مارچ ۱۹۲۰ء میں آپؒ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مالٹا کی جیل سے رہا کیا گیا، ۸ ؍ جون ۱۹۲۰ء میں آپؒ کو آپ کے تمام ساتھیوں کے ساتھ رہا کر کے بمبئی چھوڑ دیا گیا۔

قومی اتحاد کے ذریعہ آزادی کی لڑائی میں نئی روح

جب حضرت شیخ الہندؒ مالٹا میں قید کی سزا ختم کر کے ہندوستان آئے تو مالٹا میں

پوری دنیا کے سیاست داں، فوج کے کمانڈر اور دیگر رہنماؤں (جو انگریزوں کے سیاسی قیدی تھے) کے ساتھ گفتگو کر کے آئے تھے، نیز قرآنِ کریم و حدیث شریف میں علمی پختگی و سمجھ داری کی بدولت حضرتؒ نے فیصلہ کیا کہ ہندوستان کی آزادی کی لڑائی میں زیادہ تر مسلمان ہی آگے آگے ہیں، اب اس کو اور زیادہ مؤثر بنانے کے لیے ضرورت ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی اس میں شامل کیا جائے۔

۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا قیام ہو چکا تھا؛ لیکن اس کا کام ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان مفاہمت پیدا کرنا تھا، کانگریس ابھی تک انگریزوں کے خلاف کھلے عام لڑائی نہیں کر سکی تھی؛ لہذا حضرت شیخ الہندؒ نے اس نظریے پر عمل کیا کہ سب کو مل کر آزادی کی جنگ کو آگے بڑھانا چاہیے، اس نظریہ کو بہت پذیرائی ملی؛ لہذا اس میں تمام مذاہب کے لوگوں نے مکمل تعاون کیا، جس سے آزادی کا حصول آسان ہوا۔

آج بھی اگر اس نظریے کو ملک کی ترقی پر لاگو کیا جاتا ہے اور ملک کا آئین بھی تمام لوگوں کے حقوق کی ضمانت دیتا ہے تو آج بھی ہندوستان کو دنیا کی سپر پاور طاقت بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

حضرت شیخ الہندؒ کی قومی اتحاد کے متعلق بے مثال فکر

زندگی کا آخری خطاب۔ جس کے صرف ۹؍ دن بعد ہی آپ نے دنیا کو الوداع کہہ دیا۔ اس کے کچھ اقتباسات:

میں سمجھتا ہوں کہ دونوں قوموں (ہندو اور مسلم) کے درمیان اتحاد بہت ہی

فائدہ منداور ضروری ہے اور وقت کے تقاضوں کے پیشِ نظر دونوں قوموں کے رہنماؤں کی کاوشوں کی قدر کرتا ہوں؛ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ اگر دونوں جماعتیں اتحاد کے نظریے پر کامیاب نہ ہوئی تو ہندوستان کی آزادی ہمیشہ کے لیے ناممکن ہو جائے گی۔

یہاں برطانوی حکومت کے ظالمانہ پنجے روزانہ اپنی پکڑ مضبوط کرتے رہیں گے؛ یعنی ہندوستان کی آبادی کی دو بنیادی قومیں (ہندو، مسلم) بلکہ سکھوں کو ملا کر تینوں قومیں صلح و بھائی چارگی کے ساتھ رہے گی تو چوتھی کوئی قوم (انگریز) کتنی بھی طاقت ور کیوں نہ ہو، ان قوموں کے مشترکہ مقاصد (فرقہ وارانہ اتحاد اور ملک کی ترقی) کو محض اپنی ستم ظرفی سے شکست نہیں دے سکے گی۔

مختلف قوموں اور مذاہب میں مفاہمت کے لیے دو چیزیں اہم ہیں:

① مذہبی معاملات میں کسی کو کسی کے مذہب میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔

② دیگر غیر مذہبی معاملات میں کسی کو بھی کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچے اور کسی کی بھی دل شکنی نہ ہو اس کا خیال رکھتے ہوئے چلنا ہے۔

''موہن داس کرم چند'' سے ''مہاتما گاندھی'' تک

۸؍جون ۱۹۲۰ء کو جب حضرت شیخ الہندؒ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مالٹا جیل سے بمبئی لایا گیا تو بمبئی میں تمام ہی مذاہب کے لوگوں نے ان کا پرتپاک استقبال کیا، مذکورہ تحریر کے مطابق قومی اتحاد کے ذریعہ آزادی کی جنگ کو آگے بڑھانے کی ہدایت کی اور فیصلہ کیا کہ ہندو معاشرے میں سے کسی کو قائد کی حیثیت سے آگے بڑھایا جائے؛ لہذا حضرت شیخ الہندؒ نے خود گاندھی جی کا انتخاب کیا۔

حضرت کے خاص معتمد مولانا عبدالباری فرنگیؒ نے آپ کو ''مہاتما'' کالقب دیا۔

حکیم اجمل خاں مرحوم نے ایک اجلاس میں اپنی ٹوپی گاندھی جی کے سر پر پہنا دی، تب سے حکیم صاحب کی ٹوپی ''گاندھی ٹوپی'' کے نام سے مشہور ہوئی، اس طرح ملک کو مہاتما گاندھی جیسے قائد کا تحفہ حضرت شیخ الہندؒ کے ذریعے ملا۔

گاندھی جی کو جمعیت علما کے فنڈ سے ملک بھر میں دورے کروائے گئے، ان کی قیادت کا لوگوں کے سامنے تعارف کروایا گیا؛ اس لیے گاندھی جی ہمیشہ حضرت شیخ الہندؒ کے بڑے عقیدت مند رہے۔

مالٹا کی جیل کا ایک عجیب وغریب واقعہ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ خود بیان کرتے ہیں کہ:

جب حضرت شیخ الہندؒ کی وفات ہوئی تو غسل دینے والے نے پوچھا کہ: حضرت شیخ الہندؒ کی کمر پر کچھ غیر معمولی نشانات پائے گئے، اس کو معلوم کرنا چاہیے؛ لہذا گھر والوں سے پوچھا گیا تو انھوں نے لاعلمی کا اظہار کیا، پھر حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے پوچھا گیا تو ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہنے لگے: یہ میرے حضرت کا راز تھا، حضرتؒ نے مجھے کہا تھا کہ: میری حیات میں اس بارے میں کسی کو مت بتانا؛ اس لیے میں نے آج تک کسی کو نہیں بتایا؛ لیکن آج جبکہ حضرت کی وفات ہو چکی ہے میں بتا دیتا ہوں:

جب ہم مالٹا کی جیل میں تھے، تب ایک مرتبہ انگریزوں نے حضرت شیخ الہندؒ

کو طلب کیا اور کہا کہ: ایسا کہہ دو کہ ''ہم تمھارے ساتھ ہیں۔''

آپؒ نے فرمایا: یہ تو میں ہرگز نہیں کہہ سکتا! ایک سچا ہندوستانی شہری انگریزوں کے ساتھ ہو، ایسا میں کسی بھی حالت میں نہیں کہہ سکتا۔

چنانچہ انگریزوں نے ایک آگ جلائی، انگارہ گرم کیا اور جب انگارہ اچھی طرح بھڑک اٹھا تو انھوں نے آپؒ کو پھر سے یہ کہنے پر مجبور کیا؛ لیکن آپ نے پھر سے انکار کر دیا تو حکم دیا کہ: شیخ الہند کو اس آگ پر سُلا دیا جائے اور جلتے ہوئے انگاروں کی وجہ سے آپ کی پیٹھ پر گہرے زخم پڑ گئے، جب آپ کو رات کے وقت اپنی کوٹھری میں لایا گیا تو ان زخموں کی تکلیف کی وجہ سے آپ کے لیے سونا مشکل ہو گیا تھا، آپؒ بیٹھے رہتے اور ہم آپ کے ساتھ تھے، ہم سے حضرتؒ کی یہ دردناک حالت دیکھی نہیں جاسکتی تھی؛ لہذا ہم نے درخواست کی کہ:

حضرت! یہ المناک حالت کب تک؟ ہم سے یہ حالت نہیں دیکھی جاسکتی ہے، اسلامی شریعت میں ایسے درد بھرے حالات میں حیلہ کر کے جان بچانے کی اجازت ہے؛ لہذا آپ کوئی ایسا اچھا کلمہ کہہ دو؛ تاکہ یہ ظالم پیچھے ہٹ جائے اور اس طرح کی سخت تکلیف سے نجات مل جائے۔

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ ''جب میں نے یہ الفاظ کہے تو حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ: حسین احمد! تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟

میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا روحانی بیٹا ہوں!

میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا روحانی بیٹا ہوں!

میں حضرت امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کا روحانی بیٹا ہوں!

میں امام مالکؒ کا روحانی بیٹا ہوں!

میں امام احمد بن حنبلؒ کا روحانی بیٹا ہوں!

حسین احمد! یہ لوگ مجھے جان سے مار سکتے ہیں؛ لیکن وہ میرا عقیدہ ختم نہیں کر سکتے ہیں (کہ اپنی بات مجھ سے منوالیں) (خطباتِ ہند: ۱/ ۲۵۲)

عدمِ تعاون کی تحریک (Non cooperation)

مالٹا سے رہائی کے بعد ستمبر ۱۹۲۰ء کو کلکتہ میں جمعیت علمائے ہند کا ایک اجلاس منعقد ہوا، جس میں عدمِ تعاون کی تحریک کی بنیاد رکھی گئی، جس کے لیے ملک بھر سے پانچ سو علمائے کرام و مفتیانِ عظام کے پاس فتاویٰ لکھوائے اور اس کو جمع کر کے شائع کیا گیا، حکومتِ برطانیہ نے ڈر کر اس فتوے کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

عدمِ تعاون کی تحریک کیا ہے؟

انگریزوں نے اپنی حکومت کو مضبوط کرنے اور ہندوستانی مصنوعات و شناخت کے خاتمے کے لیے انگریزی طرز، انگریزی لباس، انگریزی مال سامان کو ہندوستان کے شہریوں تک پھیلانا شروع کیا اور انگریزی زبان کی تعلیم کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی۔

انگریزوں کے اس مشن کو ناکام کرنے کی غرض سے ''ملکی (دیسی) سامان اپناؤ اور غیر ملکی سامان کا بائیکاٹ کرو'' کی تحریک چلائی گئی؛ تاکہ ملکی صنعت کو تقویت ملے اور انگریزوں کی معاشی پالیسی کو سخت نقصان پہنچے۔

نومبر ۱۹۲۱ء میں پھر ایک مرتبہ لاہور میں جمعیت کے اجلاس میں اس تحریک کو

تیز بنانے کے لیے جماعتی کنونشن تشکیل دیا گیا، اس تحریک کے نتیجے میں ہندوستانیوں نے انگریزی لباس اور غیر ملکی سامان چھوڑنا شروع کیا، انھوں نے برطانوی نوکری سے استعفیٰ دے دیا، ملے ہوئے ایوارڈ واپس کیے؛ یہاں تک کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جو اس وقت انگریزی تعلیم سے متأثر ہوگئی تھی، حضرت شیخ الہندؒ نے اس کی بھی مخالفت کی اور ۲۶/ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو دہلی میں جامعہ ملیہ قائم کی۔

کیا آج کے حالات میں ایسی حب الوطنی ضروری نہیں ہے کہ ہم مکمل طور پر ملکی ایجادات کو اپنا کر ملک کی ترقی میں تعاون کریں؟

آخری سانس تک وطن کی محبت اور آزادی کی فکر

حضرت شیخ الہندؒ جب بمبئی پہنچے، ابھی تو بندرگاہ پر قدم ہی رکھا تھا کہ سر رحیم بخش نے عرض کیا:

حضرت! آپ نے زندگی بھر انگریزوں کے خلاف احتجاج کیا؛ لیکن انگریزوں کا راج تو آج بھی ہے، البتہ ہمارا تو نقصان ہوگیا، آپ کے مالٹا جیل چلے جانے سے دارالعلوم دیوبند کی ''مسندِ حدیث'' میں خلا پیدا ہوگیا تھا، حضرت شیخ الہندؒ حضرت گنگوہیؒ کے مقام پر تھے، ان کے جیل چلے جانے سے علم کے طالب افراد آپ کے علمی فیض سے محروم ہوگئے؛ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ آکر خانقاہ میں بیٹھیں؛ تاکہ ہم آپ سے استفادہ کرسکیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کا جسم مالٹا کی قید کی ناقابلِ برداشت تکالیف سے کمزور ہوگیا تھا، بڑھاپا چھا گیا تھا، یہ سن کر غضب ناک ہوگئے اور نوجوانوں کو شرمسار کرے ایسے

جوش میں بول اٹھے:

سر رحیم بخش! ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت ہے، جس ملک میں برطانوی حکومت ہو، وہاں محمود حسن کو سانس لینا تو کیا، مرنا بھی گوارا نہیں ہے، میں یہاں اس لیے نہیں آیا ہوں کہ مجھے یہاں زندہ رہنا ہے۔

ہاں! میں تو اس لیے آیا ہوں کہ جہاں تک میری آواز پہنچ سکتی ہے اور میں جہاں جا سکتا ہوں وہاں تک جا کر اعلان کروں گا کہ انگریزوں کی غلامی حرام ہے۔

مزید فرمایا کہ: میں کمزور ہو گیا ہوں، اب مجھ میں چلنے کی طاقت نہیں رہی، میرے گھٹنے میرا ساتھ نہیں دے رہے ہیں، اگر میں خود ہندوستان کے کونے کونے تک نہیں پہنچ سکا تو ایک چار پائی پر سو جاؤں گا اور میرے شاگردوں سے کہوں گا کہ: میری چار پائی کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر جہاں تک ہو سکے مجھے لے جاؤ؛ تاکہ میں ہر جگہ پر جا کر اعلان کر دوں کہ ''انگریزوں کی غلامی حرام ہے۔''

''تحریکِ عدمِ تشدد'' کی بنیاد

۱۹۲۰ء تک ہندوستان کے لوگ جب اپنے پیارے وطن کی آزادی کے خاطر اپنے خون کی ندیاں بہا چکے، اتنے لوگ قربان ہوئے کہ ان کی نعشوں سے گنگا و جمنا پر کوئی پل بنانا چاہتا تو بن جاتا، اس وقت ملک کے قائدین نے غور و فکر کیا کہ ظالم انگریز افواج کا اسلحہ سے مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرا اور کوئی راستہ بھی تلاش کیا جائے، جو مفید و موثر ہو تو آپؒ نے مذہبی فراست و سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مبنی اپنا ایک نظریہ پیش کیا کہ مکہ مکرمہ کی ۱۳؍ سالہ زندگی میں دشمنانِ اسلام کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

بہت سی تکالیف پہنچائی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ ان تکالیف کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرتے رہیں، آپ نے ہتھیاروں سے ان کا مقابلہ نہیں کیا اور اپنی توحید کی تحریک جاری رکھی، جس کو خاموش احتجاج؛ یعنی جسے دوسرے الفاظ میں ''تحریک ِعدمِ تشدد'' کہا جا سکتا ہے، اس تحریک کے روحِ رواں حضرت شیخ الہندؒ تھے اور اس کو گاندھی جی نیز دنیا کے دیگر رہنماؤں نے بھی تسلیم کیا، یہ تحریک ہندوستان کی آزادی کا ایک اہم حصہ ہے۔

زندگی کے آخری ایام

جب آپؒ مالٹا کی قید میں تھے اس دوران انگریزوں کے ظلم وبربریت کی وجہ سے آپؒ کا جسم بہت کمزور ہو چکا تھا جس کی وجہ سے آپ کئی بیماریوں کے شکار ہو چکے تھے، جب مالٹا سے بمبئی واپس آئے تو آپ کے جسم پر کمزوری اور بڑھاپے کے آثار صاف محسوس ہو رہے تھے؛ لیکن پھر بھی آپ دین وانسانیت اور ملک کی خدمت میں برابر مشغول رہے اور زندگی کی آخری سانس تک آپ ملک کی آزادی کے لیے فکرمند رہے۔

یہاں تک کہ اب ہندوستان کی آزادی کے اس سچے وفادار ہیرو کا اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آ گیا اور ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۹ھ، مطابق ۱۹۲۰ء کو ہندوستان کا یہ ہیرو اس فانی دنیا کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔

آپؒ کی وفات کے بعد بھی ملک کی آزادی کا یہ مشن بڑھتا ہی رہا! آخر آپ کے ممتاز شاگران: مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ وغیرہ حضرات نے آپ کی محترم تنظیم جمعیتِ علمائے ہند کی قیادت میں آزادی

کے عظیم مقصد کو حاصل کرلیا۔ یہ آپ کے وہی ممتاز شاگردان ہیں جنھوں نے تا دمِ حیات تقسیمِ ہند کی مخالفت کی تھی۔

یہاں آپ حضرات کی خدمت میں حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی کی بہت ہی مختصر حقیقت پیش کی گئی ہے، لندن میں برٹش کتب خانہ میں برطانوی ریکارڈ میں بہت کچھ لکھا ہوا موجود ہے، نیز ذیل کی کتابوں میں اوراس کے علاوہ دیگر کتابوں میں بھی تفصیل سے دیکھا جاسکتا ہے۔

ماخذ ومراجع

① تحریکِ آزادیٔ ہند میں مسلم علما اور عوام کا کردار (مفتی محمد سلمان منصور پوری)

② حضرت شیخ الہندؒ کی حیات اور کارنامے (مولانا اسیر ادروی)

③ علمائے ہند کا شاندار ماضی (حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب)

④ مقام محمود (حبیب الرحمن قاسمی)

⑤ کالا پانی یا تاریخِ عجیب (مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری)

⑥ اسیرانِ مالٹا (حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب)

⑦ تحریکِ شیخ الہندؒ (حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب)

⑧ حیاتِ شیخ الہندؒ (حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب)

⑨ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، ایک سیاسی مطالعہ مع سیاسی خطبات و فتاوی اور خطوط اور پیغامات (ڈاکٹر: ابوسلمان شاہ جہاپوری)

⑩ خطباتِ ہند (مولانا ذوالفقار نقشبندی)

شیخ الہندؒ ایک نظر میں

اسمِ گرامی: محمود حسنؒ۔

والد کا نام: مولانا ذوالفقار علیؒ۔

سال پیدائش: ۱۸۵۱ء، ۱۲۶۸ھ۔

جائے پیدائش: بریلی۔

وطن: دیوبند، یوپی۔

تعلیم: داخلہ سال: ۱۸۶۶ء۔

فراغت: ۱۸۷۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے ہوئی۔

اساتذۂ کرام: مولانا مہتاب علیؒ، مولانا ذوالفقار علیؒ، ملا محمودؒ۔

سندِ حدیث: حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، شاہ عبدالغنی مجددیؒ، مکہ مکرمہ۔

بیعت وخلافت: حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ۔

مشہور ساتھی: مولانا احمد حسین امروہیؒ، مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ۔

مشہور شاگردان: شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، مفتیٔ اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی، مولانا سید فخر الدینؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت جی مولانا الیاس کاندھلویؒ۔

سیاسی ساتھی: ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ،

نواب وقار الملک مشتاق حسین حکیم، حکیم اجمل خاں، خان عبد الغفار خان۔

ترکی کی امداد کا فتوی: ۱۹۱۲ء انجمن حلال احمر، ترکی۔

میڈیکل مشن کی روانگی:

۱۹۱۲ء تحریکِ آزادی۔

۱۹۱۲ء جمعیت الانصار کا قیام۔

نظارۃ المعارف: ۱۹۱۳ء۔

حج کے لیے روانگی: ۱۹۱۵ء۔

۱۳۳۳ھ، تحریک ریشمی رومال کی بے نقابی: ۱۹۱٦ء، گرفتاری: ۱۹۱٦ء، مالٹا میں قید: ۱۹۱۷ء، مالٹا سے رہائی: مارچ ۱۹۲۰ء۔ ممبئی میں آمد: ۸/جون ۱۹۲۰ء۔

جمعیت علمائے ہند کے عام اجلاس کی صدارت: ۱۹/نومبر ۱۹۲۰ء۔

تصنیفات: قرآن کریم کا اردو ترجمہ۔ ادلۂ کاملہ۔ ایضاح الادلہ۔ احسن القراء۔ حاشیۂ مختصر معانی، تقریر ترمذی، الابواب والتراجم وغیرہ۔

وفات: مؤرخہ: ۱۸/ربیع الاولی ۱۳۳۹ھ، مطابق: ۳۰/نومبر ۱۹۲۰ء بمقام دہلی، ڈاکٹر انصاری کے مکان پر۔

قبر: مزارِ قاسمی دیوبند، حضرت نانوتویؒ کے جوار میں۔

نوٹ: گجراتی مقالہ کا ترجمہ مکمل ہوا۔

❁ ❁ ❁

حضرت شیخ الہندؒ

اور

مالٹا کی قید

از: (مفتی) محمود (صاحب) حافظجی بارڈولی (حفظہ اللہ تعالیٰ)

نوٹ: یہ مضمون حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی کتاب ''سفرنامہ اسیرِ مالٹا'' سے مختلف اقتباسات کو سامنے رکھ کر نئے عناوین قائم کرکے آسان الفاظ میں مرتب کیا گیا ہے، جہاں سے اقتباسات لیے گئے ہیں اس کا صفحہ نمبر لکھ دیا گیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے ذاتی حالات

حضرت شیخ الہندؒ کا طبعی مزاج یہ تھا کہ وہ غریب اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے۔

دنیا والوں، مال داروں اور تکلّف والوں سے گھبراتے تھے اور طالبِ علموں سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے۔

آپؒ کو سادگی، سادہ لوگوں سے میل ملاپ اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا زیادہ پسند تھا، اپنے آپ کو بنانے، سنوارنے اور تکلّف سے طبعی نفرت تھی اور بارہا حضرت مولانا نانوتویؒ کا مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ: عوام الناس کا پاخانہ (قضائے حاجت کی جگہ) بھی برکت والا ہے۔ (ص: ۱۵۳)

آپؒ ہر ایک کو اپنے سے بڑا اور افضل سمجھتے تھے اور ایسا ہی لوگوں سے معاملہ بھی کرتے تھے، اور یہ حالت آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی جس میں ذرا بھی تکلّف کرنا نہ پڑتا تھا۔

جب کبھی ریل کا سفر فرماتے تو ریل میں تیسرے درجے میں سفر کرنا پسند فرماتے تھے؛ مگر اس کے ساتھ طبیعت میں صفائی بھی بہت زیادہ تھی؛ اسی لیے سفر میں عموماً کافور ساتھ رکھتے تھے؛ کیوں کہ میلے کچیلے آدمیوں کی بدبو سے تکلیف ہوتی تھی۔ آپ کو عطر اور وہ بھی گلاب کا بہت ہی زیادہ پسند تھا۔ (ص: ۱۵۳)

حضرتؒ کا وسیع دل

جن حضرات نے حضرتؒ کو دیکھا ہوگا اور آپؒ کی اخلاقی زندگی پر نظر ڈالی ہوگی

وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا دل دیا تھا جس کی وسعت سات سمندروں سے کہیں زیادہ تھی۔ (ص:۱۴)

اپنے اکابر سے فائدہ اٹھانا اور کمالِ فنائیت

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: حضرتؒ نے ''بحرِ امدادیؒ'' سے فیوضات حاصل کیے؛ مگر ڈکار نہ لی، آپؒ نے ''قاسمی نہریں'' پی ڈالیں؛ مگر ہضم کر گئے، رشیدی گھٹاؤں اور دھواں دھار بادلوں کو چوس لیا؛ مگر کبھی بے اختیار نہیں ہوئے، اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھا اور شریعت کو نہیں چھوڑا، عشق میں گھُل کر لکڑی ہو گئے؛ مگر دم نہ مارا، آپؒ ایک نہایت اونچے پہاڑ تھے جن کو نہ زلزلہ ہلا سکتا تھا، نہ بجلی گرا سکتی تھی۔ (ص:۱۴)

کامل تواضع اور حسنِ اخلاق

باطنی علوم کے ساتھ ظاہری علوم میں بھی مجدّد، محدّث، فقیہ اور تفسیر و کلام کے امام ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کبھی علما کی فہرست میں شمار نہیں کیا، آپ کی کسی حالت اور کسی عمل سے کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ اپنے کو عالم، مخلوق کا ہادی اور یکتائے زمانہ شمار کرتا ہے، آپؒ نے جس عاجزی اور تواضع سے اپنی زندگی گزاری ہے وہ اللہ والوں میں بھی خاص خاص لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ (ص:۱۴)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: ہم نے مولاناؒ کے معاصرین اور اساتذہ کو دیکھا ہے؛ بلکہ خود ان کے اُن معاصرین کو۔ جنھوں نے مولاناؒ کے اکثر؛ بلکہ جملہ اساتذہ اور مشائخ کو دیکھا تھا۔ کہتے ہوئے سنا کہ: عاجزی اور تواضع میں تو مولانا اپنے زمانے کے تمام علما تو در کنار، اپنے تمام اساتذہ سے بھی آگے بڑھ گئے۔ (ص:۱۵)

آگے فرماتے ہیں کہ: آپ کے قلب کو جس طرح خداوندِ کریم نے وسعت عطا فرمائی تھی اسی طرح تحمّل اور حوصلہ بھی اسی قدر عطا فرمایا تھا کہ حالات کا جاننے والا حیران رہ جاتا تھا، لوگوں کے وہ عیوب اور اخلاق جن کو بڑا برداشت کر جانے والا آدمی بھی دیکھ کر آپے سے باہر ہو جائے، مولانا کی پیشانی پر تغیر بھی پیدا نہیں ہونے دیتے تھے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں تو دوسری حالت تھی؛ مگر نافرمانی کے علاوہ اور لوگوں کی اصلاح میں، اسی طرح تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کرنے میں تو آپ ایک بہت اونچے پہاڑ تھے جن کو نہ زلزلہ ہلا سکتا تھا، نہ بجلی گرا سکتی تھی۔ (ص:۱۵)

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: حقیقت تو یہ ہے کہ سب نے عموماً اور کاتب الحروف (حضرت مدنیؒ) نے خصوصاً نہ مولاناؒ کے کمالات کو پہنچانا اور نہ ان کی کماحقّہ خدمت کی؛ بلکہ اپنی نالائقی کی وجہ سے بہت سی مرتبہ ایسی باتیں بھی کرتے رہیں جن کی وجہ سے حضرت مولاناؒ کو جسمانی یا روحانی تکلیف کی نوبت آتی رہی؛ مگر حضرتؒ کا حوصلہ، ضبط اور درگزر کرنے اور معاف کرنے کی عادت نے آپؒ کو مجبور رکھا کہ ہماری نالائقیوں پر خیال نہ فرمائیں، آپؒ نے اخیر وقت تک اپنے غلاموں کے خیال کو اپنے دل سے باہر نہیں کیا، اللہ تعالیٰ عالَمِ برزخ اور آخرت میں بھی حضرتؒ کی توجہ ہم نالائق غلاموں کی طرف کرا کر نجات کا ذریعہ بنائے، آمین۔ (ص:۸۲)

اسلامی ہمدردی، انسانی غیرت اور وطن کی محبت

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مولانا کے قلب ودماغ میں اسلامی ہمدردی اور انسانی غیرت، مذہبی حمیت اور قومی جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دیے گئے تھے؛ اسی وجہ

سے اپنے ملک اور قوم کی آزادی کا بہت زیادہ خیال اور فکر تھا، اس کے لیے طرح طرح کی تدبیریں اور کارروائیاں بھی عمل میں لاتے رہتے تھے۔ (ص:٢٩)

آپؒ فقط مدرسہ میں بیٹھنے والے یا خانقاہی بزرگ حضرات کی سی ہمت پر اکتفا نہیں کر سکتے تھے۔

آپؒ کی ہمتِ مردانہ آپ کو چین نہ لینے دیتی تھی۔

آپؒ کو قومی جذبات ہر وقت بے قرار رکھتے تھے۔

مذہبی حمیت آپ کے لیے تمام پریشانیاں آسان کر دیتی تھی۔

آپؒ کی اسلامی اور وطنی ہمدردی آپ کو کبھی اپنی عمر، کمزوری اور بیماریوں کا خیال بھی نہ لانے دیتی تھی۔

آپؒ کو اس راستے میں نہ عزت کا خیال تھا، نہ راحت کا، نہ رشتے داروں کی فکر تھی، نہ مال و دولت کی۔ (ص:١٦)

دوسرے اوصاف وکمالات

آپؒ کی طبیعت میں سخاوت اور مہمان نوازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آپ کو جس قدر مہمان نوازی اور سخاوت میں مزہ آتا تھا ایسا اور کسی کام میں نہ آتا تھا۔

آپؒ کو اکیلے کھانا بہت ناپسند تھا؛ اسی وجہ سے ہمیشہ مقروض رہے اور عموماً اپنی جائداد بیچ کر اپنا قرضہ ادا کرتے تھے۔

آپؒ کی ایک ظاہری خوبی یہ بھی تھی کہ جس شخص نے تھوڑا سا بھی کبھی آپ پر احسان اور کوئی خدمت اخلاص سے کی ہوتی تو ہمیشہ اس کا خیال رکھتے ہوئے اس کے

احسان کو پہاڑ کی طرح ایک بڑی چیز خیال فرماتے تھے۔

کل کے چور آج ہیرو بن گئے

آج کے اس زمانے میں کچھ ممالک اور قومیں معاشی یا فوجی طور پر طاقتور ممالک کی حیثیت رکھتے ہیں، اور وہ ممالک اور قومیں جمہوریت، سچائی اور انسانی حقوق کی چیمپئن بنے ہوئے ہیں؛ مگر ان کا ماضی بڑا داغ دار ہے۔

یہ لوگ ایشیائی، افریقی اور لاطینی ممالک کا مال و دولت لوٹ کر ہی امیر ہوئے ہیں، اسی دولت کی مدد سے ان ممالک میں ترقی ہوئی اور وہاں خوش حالی کا دور شروع ہوا۔

گویا آج وہ قوم ہر اعتبار سے جو ترقی پر ہے تو اس کی وجہ غریب ممالک سے لوٹا گیا مال و دولت بھی ہے، حقیقت میں یہ ممالک چور اور ڈاکو ہیں جنھوں نے غریب ملکوں کے وسائل پر ڈاکہ مارا اور خود کو امیر اور بڑا بنالیا۔

اب وہ ممالک، غریب ایشیائی و افریقی ملکوں کو اس طرح مدد دیتے ہیں جیسے ان پر کوئی احسان کر رہے ہوں۔

ان قوموں کی کچھ خاص عادتیں

یہاں ان کی کچھ خاص عادتیں پیش کی جاتی ہیں:

ان بڑے بنے ہوئے لوگوں میں کو قدیم بادشاہوں کی طرح صرف ملک حاصل کرنے کی لالچ ہی نہیں ہوتی؛ بلکہ ان کی لالچ پہلے بادشاہوں سے بہت زیادہ ہے؛ چنانچہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ: کسی بھی ملک پر قبضہ کر کے حکومت کے ہر ایک شعبے کی باگ ڈور اور اختیار ان کے ہاتھ میں ہو۔

نیز وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ: سب تجارتوں پر قبضہ کر کے دولت حاصل کرنے کے تمام ذرائع؛ چاہے معادن (کانیں) ہوں یا کمپنیاں، سب ان ہی کے پاس ہو۔

اسی طرح وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ: ہر ملک کی تعلیم وتربیت کا نظام ان کی رائے اوران ہی کے ماتحت ہو؛ چاہے کسی ملک کے لیے وہ فائدہ دینے والا ہو یا نہ ہو۔

وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ: ہر ملک کا مذہب بھی ان ہی کے قبضے میں ہو۔ (ص:۸۹)

ان کے برے اخلاق اور بری عادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کمزور کو قانون کی پابندی کراتے ہیں۔

بلکہ قانون کے گول مول الفاظ کے اپنی چاہت کے مطابق نئے نئے مطلب نکال کر اپنی خواہش کے مطابق عمل کراتے ہیں اور جب اپنی عمل کی باری آتی ہے اور خود میں طاقت دیکھتے ہیں تو سارے قانون ایک طرف رہ جاتے ہیں اوراس پر عمل نہیں کرتے۔ (ص:١٦١)

ان کا حقیقی قانون صرف طاقت ہے اور اصلی مذہب ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' ہے؛ چنانچہ جو قوم ان طاقتوروں کے مذہب کے علاوہ ہو وہ اگر کمزور ہے تو وہ جانوروں کی طرح اور غیر متمدن ہے اوراس کے ساتھ ہر طرح کے مظالم جائز ہیں۔

ان کی نظروں میں جو شخص زیادہ مکّار، زیادہ دھوکا دینے والا، زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے وہی زیادہ پالیٹکس اوراونچے درجے کا سیاسی اور بہت زیادہ عقل مند ہے۔

وہ اپنی ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنانا ضروری سمجھتے ہیں؛ لیکن ضرورت پوری ہوجانے کے بعد اس کو اپنی نظروں سے گرادینے کو اونچے درجے کی انسانیت اور کمال خیال کرتے ہیں۔

انھوں نے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں قیدیوں کے ساتھ وہ سلوک بھی نہیں کیے جو تمام ملکوں میں اتفاقی طور پر ہمیشہ سے طے چلے آتے تھے۔ ان کی پالیسی ہمیشہ اور ہر جگہ یہی رہی ہے کہ ''آپس میں لڑاؤ اور آرام سے حکومت کرو''۔ (ص:۱۶۱)

غرض یہ کہ یہ قوم انسانی شکل میں بھیڑیے کی مانند ہے؛ اسی وجہ سے اس کی خواہش یہ ہے کہ پوری دنیا (یا اکثر) پر اسی کا راج ہو اور سب پر اسی کا قبضہ ہو اور دوسری قومیں غلامی کے اس درجہ میں رہیں جس سے وہ زندہ رہ کر جانوروں کی طرح اس کی خدمت کرسکیں؛ بلکہ بعض جگہوں کے معاملات تو یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ دوسری قوموں کی زندگی بھی نہیں چاہتے ہیں۔

نوٹ: یہ دونوں عنوان اس وقت کے دنیا کے خاص خاص ممالک اور حکمرانوں کے احوال کی واقعی کیفیت کا بیان ہے۔

جس سفر میں گرفتاری پیش آئی اس کی ابتدا

حجاز کے جس سفر میں حضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری ہوئی اس سفر کے لیے آپؒ ۷/ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ سنیچر کے دن بمبئی سے جہاز پر سوار ہوکر جدہ کے لیے روانہ ہوئے۔ (ص:۲۳)

جہاز میں بھی جاسوس

بمبئی جہاز میں سوار ہوتے وقت بعض لوگوں نے حضرتؒ کے ساتھیوں سے یہ کہا کہ: تقریباً آٹھ دس آدمی تمھارے ساتھ خفیہ پولیس کے جاسوس بھی ہیں؛ اس لیے ان سے احتیاط رکھنا۔ (ص:۲۴)

حجاز کے سفر کے ساتھی

چونکہ حضرت شیخ الہندؒ کا یہ سفر ایک معمولی شخص کا سفر نہیں تھا؛ اس لیے بہت سے عقیدت اور محبت کا تعلق رکھنے والے حضرات فائدہ اٹھانے اور خدمت کے لیے ساتھ ہو گئے، جن میں سے خاص خاص حضرات کے نام یہ ہیں:

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری۔ مولانا محمد سہول صاحب بھاگل پوری۔ مولانا محمد میاں صاحب۔ مولانا عزیر گل صاحب۔ حاجی خان محمد صاحب مرحوم۔ مولانا مطلوب الرحمن صاحب دیوبندی۔ حاجی محبوب خان صاحب سہارنپوری۔ حاجی عبد الکریم صاحب سرونجی، مولوی وحید احمد وغیرہ۔ (ص:۲۲)

جدّہ سے مکہ

جدہ پہنچنے کے بعد وہاں سے ۲۷/ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ کو حضرتؒ اونٹوں کی سواری پر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوکر ۲۸/کی شام کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ (ص:۲۵)

حج کے بعد مکہ سے مدینہ

مکہ مکرمہ میں حضرتؒ نے حج کیا، حج کے بعد ۲۱/ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ پیر کے دن آپؒ کا قافلہ مدینہ منورہ کو روانہ ہوا۔ (ص:۲۷)

مدینہ میں شاندار استقبال

محرم الحرام کی شروع کی تاریخوں میں۔ جس میں حضرتؒ کے قافلے کے آنے

کی امید تھی ۔علما اور فضلا کی ایک بڑی جماعت مدینہ منورہ سے باہر ''بیرِ عروہ'' تک ۔جو شہر پناہ کے دروازہ ''باب الجزیہ'' سے تقریباً دو ڈھائی میل کے فاصلے پر ہے۔حضرت مولاناؒ کے استقبال کے لیے نکلا کرتی تھی اور دن بھر وہاں قیام کرتی ،کھانا اور چائے وغیرہ کا انتظام کر کے وہاں انتظار کرتی اور جب حضرتؒ کو نہ پاتی تو شام کو لوٹ آتی ۔

بالآخر ۶/محرم پیر کے روز صبح قریب ۹ یا ۱۰ بجے حضرتؒ ''بیرِ عروہ'' پر پہنچے؛ چونکہ پہلے سے استقبالیہ جماعت موجود تھی ؛اس لیے تھوڑی ہی دیر میں لوگوں کو خبر ہو گئی ؛ چنانچہ اہلِ علم وفضل کی بہت بڑی جماعت حضرتؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی زیارت و ملاقات کے لیے تشریف لائی ،پھر دونوں حضرات نے تمام ساتھیوں کے ساتھ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے مکان پر قیام فرمایا۔

شہر والے ،ائمہ ،بڑے بڑے لوگوں میں دھوم مچ گئی کہ: ہندوستان کے سورج نے بارگاہِ نبوت کی خدمت کا ارادہ کر کے بلند دربار پر سر جھکا دیا ہے؛تقریباً تین چار دن تک زیارت اور ملاقات کرنے والوں کی بھیڑ اور مسافروں کی وجہ سے بہت زیادہ چہل پہل رہی ۔(ص:۳۱)

مدینہ منورہ میں علمی سلسلہ اور مقبولیت

جس زمانے میں حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے مدینہ منورہ میں قیام اختیار کیا اس زمانے میں مدینہ منورہ کے طلبہ ومدرسین نے دونوں حضرات سے اصرار کیا کہ ہمارے استفادے کے لیے بعض کتابیں شروع کر دیجیے؛ حالاں کہ بہت سے علما اور طلبہ نے اسلاف کے قاعدے کے مطابق حدیث کی کتابوں

کی ابتدائی روایت سنا کر اجازت بھی لے لی تھی۔

چنانچہ ان لوگوں کے اصرار پر حضرتؒ نے بخاری شریف اور بعض دوسری حدیث کی کتابیں شروع کرادی۔

آپؒ عربی میں تقریر فرماتے تھے، طلبہ اور عقیدت ومحبت رکھنے والوں کا۔ جو کہ اکثر وہاں کے مدرس اور معتبر عالم ہوتے۔ آپؒ کے درس میں اس قدر مجمع ہوتا تھا کہ مکان میں مشکل سے جگہ ملتی تھی، تواضع کی وجہ سے حضرتؒ نے حرم شریف میں درس دینا مناسب نہیں سمجھا؛ اس لیے مکان ہی پر پڑھاتے تھے۔

دوسری طرف حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے بھی اسی اصرار کی بنا پر بعض کتابوں کا درس شروع کرادیا۔ (ص:۳۲)

مدینہ سے واپس مکہ

۱۲ یا ۱۳/ جمادی الثانی کو حضرتؒ کا قافلہ مدینہ منورہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوا، آپؒ کے ساتھ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا عزیر گلؒ، مولوی وحید احمد، منشی محمد صاحب فیض آبادی، نیز حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ وغیرہ تھے۔ (ص:۴۴)

مکہ سے طائف

۲۰/ رجب ۱۳۳۴ھ کو مکہ سے طائف کی طرف روانہ ہوئے اور ۲۴/ رجب کو طائف پہنچے، اس سفر میں حضرتؒ کے ساتھ صرف تین آدمی تھے: مولانا عزیرؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ اور جناب وحید احمد۔ (ص:۴۵)

اس سفر میں طائف میں بھی ایک رمضان

آپؒ نے رمضان المبارک کا مہینہ طائف میں گزارا اور شروع میں مسجدِ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ میں نماز اور تراویح پڑھتے تھے، بعد میں مکان کے قریب والی مسجد میں نماز اور تراویح پڑھنا شروع کی، اس سال تراویح میں صرف ''الم تر کیف'' پڑھی گئی، تراویح کے بعد حضرتؒ سحری تک مسجد میں نوافل پڑھنے میں مشغول رہتے تھے۔ (ص:۵۰)

طائف سے مکہ

۶ رشوال ۱۳۳۴ھ صبح کے وقت طائف سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۰ رشوال کو صبح کے وقت مکہ مکرمہ پہنچے اور اس سال بھی آپؒ نے حج ادا کیا۔ (ص:۵۱)

گرفتاری کے وقت حضرت شیخ الہندؒ کا ایک عجیب جملہ

جب انگریزوں کی طرف سے شریفِ مکہ پر اس بات کا دباؤ ڈالا گیا کہ حضرتؒ کو ہمارے حوالے کر دے تو شریف نے حضرتؒ کو پکڑنے حکم جاری کیا، حضرتؒ اس زمانے میں روپوش ہو گئے تھے؛ اس لیے جب بہت زیادہ تلاش کرنے کے باوجود حضرتؒ ہاتھ نہیں آئے تو شریف نے حکم جاری کیا کہ: اگر عشا تک مولاناؒ حاضر نہیں ہوئے تو آپ کے دونوں ساتھیوں (مولانا عزیر گل اور حکیم نصرت حسین) کو گولی مار دو!

جب حضرتؒ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ: مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں کہ میری وجہ سے کسی کو تکلیف پہنچائی جائے؛ اس لیے جو کچھ ہوگا اس کو میں اپنے سر پر جھیلوں گا

اور پھر حاضر ہوکر خود کو حوالے کردیا، جب آپؒ کی روانگی کا وقت آیا تو آپؒ نہایت مطمئن تھے اور احباب سے رخصتی کے موقع پر ملتے ہوئے فرمایا کہ:

الحمد للہ! ''بمصیبتے گرفتارم، نہ بمعصیتے''؛ یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ (ظاہری) مصیبت میں تو ہوں؛ لیکن معصیت میں نہیں ہوں۔

حضرتؒ کا یہ سفر مکہ مکرمہ سے ۲۳ر صفر ۱۳۳۵ھ کو اتوار کے دن ہوا اور پیر کی صبح کو جدہ پہنچے۔ (ص:۶۴)

دہلی کے تاجروں کی ہمدردی

دہلی کے بڑے بڑے تاجروں کی ایک جماعت شریفِ مکہ کے پاس پہنچی اور کہا کہ: اگر حضرتؒ اور ان کے ساتھیوں سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو آپ خود ان کو اپنے ملک میں سزا دیں، انگریز کے حوالے کیوں کرتے ہیں؟ ترکی حکومت کے زمانے میں ترکیوں نے جب بعض آدمیوں کو قید کرکے غیر مسلموں کے حوالے کیا تھا تو اُس وقت آپ نے ان کو روکا تھا، اب تو آپ خود حاکم ہیں۔

شریفِ مکہ نے جواب دیا کہ: ہماری انگریزوں سے دوستی ابھی نئی نئی ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ ہماری دوستی میں کوئی خلل واقع ہو۔ (ص:۶۴)

حضرت مدنیؒ کا خود کو گرفتار کرانا۔ مثالی شاگرد

جب آپؒ کی گرفتاری کا حال حضرت مدنیؒ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ: میں مدینہ سے صرف حضرتؒ کی خدمت کے لیے آیا ہوں، اگر حضرتؒ کو ہندوستان بھیجا

گیاتو وہاں مجھ سے بڑے بڑے خادم مل جائیں گے؛لیکن اگرکسی دوسری جگہ بھیجا گیا تو میرا ساتھ رہنا ضروری ہے؛ چنانچہ کسی ترکیب سے آپ نے اپنے آپ کوبھی گرفتار کروادیا۔(ص:٦۵)

یہ ہے استاذ کی محبت!محض استاذ کی راحت اور خدمت کی خاطر خودکوگرفتار کروایا۔

جدہ سے سویز

تقریباً ایک مہینہ جدہ میں قید رہنے کے بعد حضرتؒ اور آپ کے ساتھیوں کو ۱۲/جنوری ۱۹۱۷ء مطابق ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۵ھ جمعہ کے دن جدہ سے سویز کے لیے روانہ کردیا گیااور ۱٦/جنوری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۲/ربیع الاول منگل کے دن صبح سویز پہنچے۔(ص:٦۹)

سویز سے قاہرہ اور جیزہ

کچھ عرصے کے بعد مضبوط حفاظت کے ساتھ ان حضرات کواسٹیشن کے قریب ایک کیمپ میں لے گئے، وہاں ایک خیمے میں ٹھہرایا گیااور کہا گیا کہ: کل تم کومصر روانہ کیا جائے گا۔

دوسرے دن صبح کے وقت مصر جانے کے لیے ریل میں سوار کر دیا گیااور ۱۷/جنوری بدھ کے دن تقریباً دو بجے گاڑی مصر کے قاہرہ اسٹیشن پر پہنچی، یہاں سے موٹر میں سب سامان کے ساتھ جیزہ لے جایا گیا۔(ص:٦۹)

انگریز کے سامنے جواب کا انداز

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد ہم کو جیزہ کے معتقلِ سیاسی (سیاسی قیدخانہ) نامی جیل خانے میں داخل کردیا گیا۔

دوسرے دن صبح ایک انگریز نے - جو کہ اردو اچھی طرح جانتا اور سمجھتا تھا۔ حضرتؒ سے پہلے آپ کا نام اور پتہ وغیرہ پوچھنا شروع کیا اور پھر دوسری باتیں پوچھیں؛ چنانچہ حضرتؒ نے ان کی طرف زیادہ توجہ کیے بغیر بہت مختصر اور محض اکھڑے ہوئے طریقے پر جوابات دیے، جس طریقے کو غالباً اس انگریز نے تمام عمر میں کہیں دیکھا نہ تھا؛ اسی وجہ سے اس انگریز نے حکیم نصرت حسین صاحب سے شکایت کی اور کہا کہ: غالباً مولانا کو کبھی حاکموں سے ملنے اور ان سے بات چیت کرنے کا سابقہ نہیں پڑا ہے۔

اس کے چند سوالات اور حضرتؒ کے جوابات یہ ہیں:

سوال: آپ کو شریف نے کیوں گرفتار کیا ہے؟

جواب: اس کے فتوے پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے (جو ترکی خلافتِ اسلامیہ کے خلاف تھا)۔

سوال: آپ نے دستخط کیوں نہیں کیے؟ جواب: وہ شریعت کے خلاف تھا۔

اسی طرح اس انگریز نے تحریکِ ریشمی رومال، جمعیۃ الانصار، انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات وغیرہ کے متعلق سوالات کیے۔ (ص: ۷۰ تا ۷۵)

مصر سے مالٹا کے لیے

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: ایک مہینہ گذر جانے کے بعد ۱۵ر فروری

۱۹۱۷ء، مطابق ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ء کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو جیل کے کمانڈر برٹش حاکم نے بلا کر یہ کہا کہ: کل تم مالٹا بھیجے جاؤ گے۔

چنانچہ ۱۶ر فروری، مطابق ر ۲۴ر ربیع الثانی کو صبح کے وقت ہم کو گوروں کی گارڈ کی حفاظت میں موٹر میں بٹھا کر سامان کے ساتھ ریلوے اسٹیشن قاہرہ پہنچا دیا گیا، پھر وہاں سے اسی وقت تھرڈ کلاس میں گارڈ کی حفاظت میں ہم کو اسکندریہ پہنچا دیا گیا۔ (ص:۹۵)

اسکندریہ سے ہمیں جہاز میں بٹھایا گیا اور اسی روز شام کو ہمارا جہاز اسکندریہ سے روانہ ہوا۔ (ص:۹۷)

۲۱ر فروری ۱۹۱۷ء، مطابق ۲۹ر ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ پیر کے دن صبح تقریباً دس بجے ہمارا جہاز مالٹا میں پہنچا؛ مگر تقریباً چار بجے تک کوئی ہمارے اترنے کی فکر نہیں ہوئی، چار بجے کے بعد ہم اتارے گئے، سب سے پہلے ترکی افسر اور سپاہی اترے، پھر ہم کو اترنے کا حکم ہوا، ترکی افسروں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ: تم ان کے سامان اتارو۔ انھوں نے ہاتھوں ہاتھ ہمارا سامان اتار دیا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو وہ انگریز افسر - جو اتارنے کے لیے آیا تھا - اپنے ساتھ اکّے (بیل گاڑی یا گھوڑا گاڑی) پر بٹھا کر لے گیا اور ''روگیٹ کیمپ'' میں جہاں پر ہمارے قیام کے لیے خیمے نصب کیے گئے تھے وہاں پہنچا دیا اور ہم باقی چار آدمی اور تمام سپاہی پیدل کیمپ تک گئے۔

راستے میں شہر والے: مرد، عورتیں اور بچے ہمارے قید ہونے پر خوشیاں مناتے تھے اور مذاق اڑاتے تھے؛ کیوں کہ وہ سب عیسائی تھے اور ان کو مسلمان کے قید ہونے کی بہت زیادہ خوشی ہوتی تھی۔ (ص:۱۰۱)

مالٹا کا تعارف

تین یا پانچ بڑے بڑے جزیروں کا یہ ملک بتلایا جاتا ہے۔

مالٹا بھارت سے تقریباً چار ہزار میل کے فاصلے پر ہے، جو اُس وقت انگریزوں کی حکومت کے ماتحت تھا۔

عثمانی دور سے پہلے مالٹا میں ایمان پہنچ چکا تھا، جس زمانے میں صلاح الدین ایوبی کی جنگ چل رہی تھی تو عیسائیوں نے مالٹا کو اپنا اڈہ بنایا تھا، جب قدیم زمانے میں یہاں ایمان آچکا تھا تو بہت ساری مساجد بھی وہاں بن چکی تھیں اوران مساجد کو چرچ میں تبدیل کر دینے کی علامتیں واضح طور پر آج تک موجود ہیں۔

لگتا ایسا ہے کہ ان ملکوں سے دشمنوں نے ایمان کو کھرچ کھرچ کر نکال دیا ہے۔

یہاں کی زبان میں ''مرحبا، طریق، مربد'' اس طرح کے الفاظ کا استعمال عام ہیں۔

مالٹا کی زبان میں ہفتے کے دنوں کے نام عربی والے ہی ہیں۔ اعداد وشمار بھی عربی ہی کے استعمال ہوتے ہیں۔ پتھروں کی قدیم دور کی عالی شان عمارتیں جگہ جگہ دیکھنے کو ملتی ہے۔

بارہ کے قریب تقریباً مساجد، عبادت خانے ہیں، چار میں جمعہ ہوتا ہے۔

نوٹ: بھارت کی آزادی کے لیے اس قدر دور لے جا کر قید کی سزا برداشت کرنے کی سعادت بھی مسلمان علما ہی کو حاصل ہے۔

جہاز میں ہر وقت خطرہ

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: جب ہمارا جہاز رات کو اسکندریہ کی بندرگاہ سے

روانہ ہوا تھا تو تھوڑے ہی عرصے کے بعد ہر ایک شخص کو کارک (ایک درخت کی چھال جس سے بوتلوں وغیرہ کے ڈاٹ بنائے جاتے ہیں) کی پیٹیاں دی گئیں۔ یہ پیٹیاں جہاز کے ڈوبنے کے وقت گلے یا کمر میں پڑے رہنے کی وجہ سے آدمی ۲۴ر گھنٹے یا اس سے زیادہ تک نہیں ڈوبتا۔

پھر جتنے آدمی اس آگ بوٹ میں تھے سب کے سب مختلف کشتیوں پر تقسیم کر دیے گئے اور کہہ دیا گیا کہ: جب سیٹی بجے تو ہر شخص ان پیٹیوں کو جلدی جلدی گلے میں ڈال کر فوراً اپنی اپنی کشتی پر پہنچ جائے۔ بار بار امتحان بھی کیا گیا اور سیٹیاں دی گئیں اور ہر ایک اپنی اپنی کشتی پر پہنچ گیا۔

ہر جہاز پر دونوں طرف مختلف چھوٹی چھوٹی کشتیاں بندھی رہتی ہیں کہ: اگر کہیں ضرورت پڑے یا جہاز کے ڈوبنے کا خطرہ ہو تو لوگوں کے لیے وہ کشتیاں کھول دی جائیں؛ تاکہ اس میں بیٹھ کر وہ کنارے تک جاسکیں۔

جہاز کے تمام لوگ ہر وقت گھبراہٹ اور خوف میں رہتے تھے، بعض مقامات تو بہت زیادہ خطرے کے گذرے؛ لیکن حضرتؒ پر کسی قسم کا خوف اور گھبراہٹ نہیں تھی، ہم سب کے دلوں پر بھی حضرتؒ کی برکت سے اطمینان تھا۔ (ص:۹۸)

حضرت شیخ الہندؒ کا اکابر کے تبرکات سے عجیب تعلق

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت مولاناؒ نے بھی اپنے خدّام کو اپنے اکابر کے جو خاص تبرکات ان کے پاس تھے بانٹ دیے؛ اس وجہ سے کہ اللہ جانے کیا واقعہ پیش آئے؟ اور پھر کون مرے اور کون بچے؟ اس لیے ہر ایک کو ایک ایک تبرک دے دیا

کہ: اس کو اپنے پاس رکھیں۔

حضرتؒ کے پاس قطب العالم حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت شمس الاسلام مولانا قاسم صاحب اور حضرت شمس العلما والفضلا مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ اسرارہم کے خاص خاص تبرکات اور ناخن اور بال تھے؛ چنانچہ سب کو ایک ایک لباس اور ناخن اور بال دیے اور خود بھی اپنے پاس رکھا۔

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: مجھے حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کی روئی کی وہ کمری (ایک قسم کی جیکٹ) عنایت فرمائی جو کہ انتقال کے وقت آپ کے جسمِ مبارک پر تھی، مالٹا پہنچنے کے بعد سب تبرکات واپس کر دیے گئے۔

لیکن اس کو میں نے واپس نہیں کیا اور حضرتؒ سے کہہ دیا کہ: اس کو میں واپس نہیں کروں گا۔ آپ نے بھی کچھ اصرار نہ فرمایا؛ چنانچہ اب تک وہ میرے پاس موجود ہے۔ (ص:۹۹)

مالٹا کا جیل خانہ

مالٹا کے قید خانے کے متعلق حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

یہ ایک بڑا قلعہ ہے جو پرانے زمانے میں پہاڑ کو کھود کر بنایا گیا تھا اور اس کی دیواریں اور خندقیں بہت مضبوط ہیں، اس میں ایک چوڑے میدان کے علاوہ مختلف عمارتیں بھی بنی ہوئی ہیں۔

یہ قلعہ حقیقت میں فوج اور افسروں کے رہنے کے لیے بنایا گیا تھا اور جنگی ضرورتیں بھی اس میں ملحوظ تھیں؛ لیکن جنگ کے دنوں میں جب خطرناک قیدیوں کے

لیے بہت زیادہ محفوظ جگہ کی ضرورت ہوئی تو اس وقت اس قلعہ کو خالی کرالیا گیا اور اس میں کانٹے دار تاروں کے ذریعہ سے چند کیمپ بنا لیے گئے: روگیٹ کیمپ، سینٹ کلیمنٹ یا جرمن کیمپ، بلغار کیمپ، روم کیمپ، سینٹ کلیمنٹ بیرکس یا عرب کیمپ، وردالہ بیرکس، وال فرسٹہ، نیو وردالہ۔ (ص:۱۰۳)

جیل میں قیدیوں کی تعداد

اس پورے قید خانے میں قیدیوں کی مجموعی تعداد تقریباً تین ہزار تھی، جس میں اکثر جرمنی تھے، جو کہ مصر سوڈان وغیرہ سے پکڑے گئے تھے اور باقی فوجی تھے جو افریقہ کے مختلف میدانوں وغیرہ سے ہاتھ آئے تھے، اور باقی ماندہ آسٹرین، بلغاری، ترکی، مصری، شامی وغیرہ تھے۔

جو لوگ عراق (ماسوپوٹامیا) سے پکڑے جاتے تھے وہ برہما، ہندوستان کے مختلف مقامات میں بھیجے جاتے تھے؛ مگر ان لوگوں میں جن کو زیادہ خطرناک شمار کیا جاتا تھا تو ان کو مالٹا میں بھیج دیا جاتا تھا، جب قیدیوں کو قید خانے میں داخل کیا جاتا تھا تو ان کو نمبر بتلا دیا جاتا تھا اور ایک کاغذ ان کے نمبر کا دے دیا جاتا تھا؛ تاکہ ضرورت کے وقت پہچان ہو سکے۔ (ص:۱۱۲)

حضرت شیخ الہندؒ کے قید کی جگہ

حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقا کو پہلے روگیٹ کیمپ والے حصے میں رکھا گیا تھا، اس کیمپ میں ان کا قیام تقریباً مکمل ایک مہینہ رہا۔

جب ان کو اس کیمپ میں لایا جا رہا تھا تو پہلے سے ان کے آنے کی خبر دے

دی گئی تھی کہ پانچ ہندوستانی آرہے ہیں؛ اس لیے دو خیمے وہاں ان کے لیے تیار کیے گئے تھے: ایک خیمے میں حضرت شیخ الہندؒ اور مولوی عزیر گل صاحب اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی چارپائی رکھی گئی اور دوسرے میں حکیم صاحب اور مولوی وحید کی تھی۔

اس کیمپ میں پہلے سے دو ہندوستانی: ایک ڈاکٹر غلام محمد پنجابی آدم پوری اور دوسرے مسٹر سید ار بنگالی بھی موجود تھے۔ (ص: ۱۲۲)

خیمے میں سخت ٹھنڈی کی وجہ سے پریشانی

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ کیمپ اگر چہ خندق میں واقع تھا؛ مگر چونکہ اس میں فقط خیمے تھے؛ اس لیے وہ سردی سے پوری حفاظت نہیں کر سکتے تھے اور پھر کھلا ہوا میدان تھا جس کی بنا پر رات کو باوجود یہ کہ ہم اپنے کپڑوں کو پہنے ہوئے دو کمبل اور ایک چادر اوڑھے ہوئے گدوں پر ایک کمبل بچھائے ہوئے سوتے تھے؛ مگر تقریباً دو ڈھائی بجے رات کو سردی کی کثرت کی وجہ سے نہ اٹھنے کی ہمّت ہوتی تھی اور نہ ہی نیند آتی تھی، صبح کے وقت مجبور ہو کر نماز کے لیے اٹھنا پڑتا تھا؛ چنانچہ اس وقت خیمہ سے سر نکالتے ہی ایک عذابِ الیم کا سامنا ہوتا تھا، ٹھنڈی ہوا کے اس زور کے تھپیڑے لگتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، وضو کرنے کی اور پیشاب، پاخانہ کی کوئی ایسی جگہ بھی نہ تھی جہاں پر ہوا اور سردی سے حفاظت ہو اور جو پانی ہم بالٹیوں اور برتنوں میں بھر کر رات سے وضو کے لیے رکھ لیتے تھے وہ بھی برف سے زیادہ ٹھنڈا ہو جاتا تھا؛ اس لیے جو لوگ نماز کے پابند نہیں تھے وہ تو سورج نکلنے سے پہلے اپنے خیموں سے سر بھی نہ نکالتے تھے؛ مگر جس طرح بھی ہو سکتا تھا ہم سب ایک دوسرے کو اٹھاتے اور پانچوں

آدمی حضرت مولاناؒ کے خیمے میں جماعت سے نماز پڑھتے تھے۔ (ص:۱۳۱)

جیل میں قیدیوں کی علمی مشغولی

جیل میں ہر قسم کی صلاحیت والے اور مختلف زبانوں والے بڑے بڑے لوگ جمع تھے اور کوئی کام اور خدمت بھی کسی کے ذمہ نہیں تھی؛ اس لیے عموماً لوگوں نے اپنے اوقات علوم کو حاصل کرنے اور زبانوں کے سیکھنے میں خرچ کیا۔

اس مجمع میں مختلف زبانوں اور فنون کے بڑے بڑے پروفیسر موجود تھے؛ چنانچہ بہت کم ایسے آدمی تھے جنھوں نے علمی ذوق رکھتے ہوئے کم از کم ایک دو زبان نہ سیکھ لی ہو؛ گویا ایک اعتبار سے یہ جیل خانہ ایک اچھا خاصا دار العلوم (یونیورسیٹی) بن گیا تھا۔ (ص:۱۱۷)

جیل میں بھائی چارگی کا عجیب منظر

سب کے سب ایک خیال، ایک درد اور ایک ہی دکھ والے تھے، سب کے سب انگریز حکومت کے دشمن تھے اور کھلم کھلا انگریزوں کو برا کہتے تھے۔

الگ الگ مذہب اور الگ الگ وطن کے باوجود انسانیت کے رشتے نے ایک کو دوسرے سے ایسا جکڑ رکھا تھا کہ گویا ہر ایک دوسرے کا حقیقی بھائی اور رشتہ دار ہے، اگر ایک شخص کو تکلیف پہنچتی تھی تو سب اس کو دور کرنے کی فکر کرتے۔

سب کے سب انگریزی افسروں اور فوجیوں کو نہایت غصے کی نظر سے دیکھتے تھے اور ایک دوسرے کو بہت زیادہ عظمت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ہر ایک کے مرتبے کے اعتبار سے معاملہ کرتے تھے۔

حضرت مولاناؒ سے عموماً ہر قوم کے علم والے اور بڑے لوگوں کو بہت زیادہ ہمدردی تھی اور بہت زیادہ تعظیم سے پیش آتے تھے۔

عید کے دن مسلمانوں کے علاوہ جرمنی آسٹریا وغیرہ کے بڑے لوگ ملنے اور مبارک بادی دینے کے لیے آتے اور گل دستہ وغیرہ پیش کرتے تھے۔(ص:۱۱۸)

اخلاق وکمالات کے ظاہری فوائد

حضرتؒ کی صداقت، حقانیت، للّٰہیت، تقویٰ اور طہارت نے صرف دوستوں ہی کے دل پر سکہ نہیں جمایا تھا؛ بلکہ مخالف بھی دل میں آپ کی بہت زیادہ عزّت ووقعت رکھتے تھے۔

پرنس جرمنی جو کہ غالباً قیصرِ جرمن کا بھتیجا تھا اور ایمڈن جہاز میں بحری فوجی کپتان کے عہدے پر تھا اور شاہی خاندان کا ہونے کی وجہ سے جرمنی قیدیوں میں بہت بڑی عظمت رکھتا تھا، وہ ہمیشہ عید میں حضرتؒ کے پاس آتا تھا، چند منٹ بیٹھتا اور چائے نوش کر کے چلا جاتا تھا، اس کے بعد حضرتؒ بھی دو چار مرتبہ اس کے یہاں نہایت مختصر وقت کے لیے تشریف لے گئے، جب کبھی راستے میں حضرتؒ اس کو نظر پڑ جاتے تھے تو دور سے ٹوپی اتارتا اور سر جھکا کر سلام کرتا۔

اسی طرح بڑے بڑے فوجی افسر، جرنیل، کرنیل اور میجر۔ باوجود انگریز ہونے اور اس بات کے سمجھنے کے کہ مولاناؒ ہمارے سیاسی امور میں مخالف ہیں، ہماری موجودہ حکومت کو ہند میں نہیں چاہتے، وہ ہندوستان کی آزادی کے چاہنے والے اور اسلام اور مسلمانوں کی خلافت کے دوست ہیں۔ جب حضرتؒ کو دیکھ لیتے تھے تو نہایت تعظیم سے

پیش آتے تھے، ٹوپی اتار لیتے تھے اور بعض تو بہت زیادہ جھک جاتے تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ سچائی اور للّٰہیت ایک ایسی چیز ہے کہ وہ ضرور بالضرور اپنا اثر پیدا کر دیتی ہے، موافق اور مخالف دونوں عزت کی نظر سے دیکھتے اور دل میں مانتے ہیں اور خود غرضی، نفس پرستی اور مذہبی وقومی خیانت ایسی بری چیز ہے کہ مخالف تو درکنار موافق؛ بلکہ عزیز اور قریب بھی نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ (ص:۱۱۹)

حضرتؒ کے جیل میں معمولات

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: حضرتؒ عشا کی نماز کے بعد اپنے اَوراد و وظائف پڑھتے تھے، پھر استنجا وغیرہ سے فارغ ہوکر اکثر وضو فرماتے، کبھی کبھی کچھ باتیں بھی فرماتے تھے اور پھر سو جاتے تھے۔

پھر عادت کے مطابق رات کو ایک یا ڈیڑھ بجے اٹھتے تھے، اسی وقت استنجا سے فارغ ہوکر وضو کرتے اور اندھیرے ہی میں تہجد کی نماز ادا فرماتے تھے، اس کے بعد صبح تک مراقبہ اور ذکرِ خفی میں مشغول رہتے۔

ہم جوانوں کو تو منہ کھولنا بھی قیامت معلوم ہوتا تھا، اٹھنا یا نماز پڑھنا یا وضو کرنا تو دور کی بات؛ مگر آپؒ کی استقامت اور اپنے اوقات کی پابندی ہمیں بھی اپنے پروردگار کی عبادت پر مجبور کرتی تھی، یہی حالت ہمیشہ سفر اور حضر میں حضرتؒ کی رہی۔ پھر اس پر تعجب یہ تھا کہ اس طرح اٹھتے اور اس طرح آہستہ آہستہ قدم رکھتے اور دروازہ وغیرہ کھولتے کہ کسی کو خبر نہ ہوتی تھی؛ باوجود یہ کہ ہم سب خدام ہی تھے اور سفر وحضر میں ساتھ رہنے والے تھے؛ مگر ہم سبھوں سے بھی چھپانے کی آخر تک برابر کوشش فرماتے

رہے؛ چوں کہ پیشاب کی معذوری تھی؛ اس لیے عموماً رات میں چند مرتبہ وضو کرنے کی ضرورت پڑتی تھی، پانی بھی بہت ٹھنڈا ملتا تھا؛ مگر اللہ کے فضل وکرم سے ان سب طبیعت کے خلاف امور کے باوجود مصر کے ایک مہینے کے قیام میں حضرتؒ کو بیماری وغیرہ کی کوئی تکلیف پیش نہیں آئی۔ (ص:۱۳۲)

ہزار دانوں کی تسبیح ہمیشہ سرہانے رکھی رہتی تھی، ''اسمِ ذات'' کی کوئی مقدار معین فرما رکھی تھی اس کو ہمیشہ بالالتزام پورا فرماتے تھے، مراقبے کا اس قدر انہماک ہوگیا تھا کہ رات دن کا اکثر حصہ اسی میں گذرتا تھا، صبح کی نماز باجماعت ادا فرما کر وہیں مصلے پر آفتاب کے بلند ہونے تک مراقب رہتے تھے، اس کے بعد اشراق کی نماز ادا فرما کر اپنے کمرے میں تشریف لاتے۔ اُس وقت مولانا کے لیے ابلے ہوئے انڈے اور چائے تیار ہوتی تھی وہ پیش کر دی جاتی تھی، اس کو نوش فرما کر ''دلائل الخیرات'' اور قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تھے، اس سے فارغ ہو کر کچھ ترجمۂ قرآن شریف تحریر فرماتے یا اس پر نظرِ ثانی کرتے یا اگر خط لکھنے کا دن ہوتا تو خط تحریر فرماتے یا وحید کو سبق پڑھاتے۔

پھر کھانے کا وقت آجاتا تو کھانا تناول فرما کر چائے نوش فرماتے تھے، اس کے بعد اگر کسی سے ملنے کے لیے کسی کیمپ میں جانا ہوتا تو وہاں جاتے؛ ورنہ قیلولہ فرماتے، یہی عادت حضرتؒ کی وطن میں بھی تھی۔

تقریباً ڈیڑھ یا دو گھنٹے اسی طرح آرام فرمانے کے بعد قرآن شریف کی تلاوت اور دلائل الخیرات، حزب الاعظم وغیرہ میں مشغول ہوتے تھے۔

قرآن شریف بہت زیادہ پڑھتے تھے، غالباً روزانہ دس بارہ پارے پڑھا

کرتے تھے، ظہر کی اذان تک اسی حالت میں مشغول رہتے تھے، پھر مسجد میں تشریف لاتے اور نماز سے فارغ ہوکر اگر وحید کا سبق ہوتا تو کبھی اس وقت میں اور کبھی صبح کو اپنے اَوراد ووظائف سے فارغ ہوکر کھانے کے وقت تک پڑھاتے تھے، عربی کتابوں میں سے فقط مشکوۃ اور ترمذی پاس تھیں؛ اس لیے انھی دونوں کو پڑھاتے رہے، یہاں تک کہ دونوں ختم ہوگئیں، جلالین شریف بھی ساتھ تھی وہ بھی غالباً ختم ہوگئی تھی۔

اس کے بعد اکثر ''ترجمۂ قرآن'' پر نظرِ ثانی فرماتے تھے اور کبھی کبھی مولوی نصرت حسین صاحب مرحوم اور مولوی عزیر گل صاحب کو ترجمہ سناتے تھے، دونوں حضرات کی ترجمہ کے متعلق حضرتؒ سے بحثیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔

عصر کی نماز کے بعد اکثر مولاناؒ ذکرِ خفی لسانی میں مشغول ہوتے، ایک ہزار دانے والی تسبیح کو چادر یا رومال کے نیچے چھپا کر بیٹھ جاتے اور ذکر کرتے رہتے تھے، جب دسترخوان چن لیا جاتا تھا تو حضرتؒ سے عرض کیا جاتا تھا کہ تشریف لائیے! چنانچہ کھانا نوش فرما کر پھر اپنی جگہ پر جا بیٹھتے اور اپنے کام میں مشغول ہوجاتے تھے۔

مغرب کے بعد نوافل وغیرہ سے فارغ ہوکر اسمِ ذات کے ذکر میں خفیہ طور پر اسی بڑی تسبیح کو لے کر عشا تک مشغول رہتے تھے، اس درمیان میں اگر ہم میں سے کوئی کسی بات کے لیے پاس جا بیٹھتا تو کچھ بات بھی کر لیتے؛ ورنہ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ حقیقت میں حضرتؒ کو اپنے روحانی کاروبار اور باطنی ترقی اور اپنے محبوبِ حقیقی سے راز و نیاز کرنے کا فارغ وقت تمام عمر میں کبھی ایسا نصیب نہیں ہوا تھا جیسا کہ مالٹا کی قید کے دنوں میں ہوا، دن رات ان کو یہی دھن تھی اور یہی مشغلہ تھا، نہ

کبھی ان کی طبیعت گھبراتی تھی اور نہ کسی دوسری طرف کو رغبت ہوتی تھی؛ بسا اوقات تو ان کو ہم لوگوں سے بات کرنا بھی ناگوار ہوتا تھا۔

یہ ایک واقعی اور حقیقی خداوندی انعام تھا جس میں حضرتؒ کے ترقیٔ معنوی کے درجات طے کرانے تھے۔ (ص: ۱۳۹ تا ۱۴۲)

مالٹا کے دور کا ایک عجیب قصہ

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ؛ حضرتؒ کو اپنی جان کا کوئی فکر نہ تھا، آپ کو صرف دو فکر تھے: ایک یہ کہ میری وجہ سے میرے یہ ساتھی بھی تکلیفوں میں پڑے ہیں، اللہ جانے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟

دوسرا فکر وہ تھا جو کہ حقیقت میں اہلِ بصیرت اور بڑے مرتبہ والوں کو ہوا کرتا ہے؛ یعنی چوں کہ بارگاہِ الٰہی نہایت بے نیاز بارگاہ ہے جس کے استغنا اور علو نے تمام اکابر کو ان کے درجہ کے موافق بے چین کر رکھا ہے: ''نزدیکاں را بیش بُود حیرانی''۔

اس کا راز ہے:

زَ دردِ دیں ہمہ پیرانِ رَہ را	جگرہا خستہ ودِلہا کباب است

ترجمہ: دین کے درد کی وجہ سے تمام اللہ والوں کے جگر خستہ اور دل کباب ہیں۔

اس کا سِر ہے:

كان رسول الله ﷺ متواصل الأحزان ، دائم الفكرة ، نظره إلى الأرض أكثر من نظره إلى السماء.

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ غمگین اور ہر وقت فکر میں ڈوبے ہوئے رہتے تھے، آپ

کی نظر آسمان کے مقابلے میں زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔

جن کے لیے فرمایا گیا ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝٥. (الضحیٰ)

ترجمہ: عنقریب تمھارا پروردگار تمھارے مطلوب کو دے کر تم کو راضی کر دے گا۔

اور: لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (الفتح: ٢)

ترجمہ: اور تمھارے مکہ فتح کرنے کے ثمرات میں تمھارے اگلے اور پچھلے گناہوں کا معاف ہونا بھی ہے۔

الغرض! جو جس قدر معرفتِ باطنی اور حقیقی علوم دیا گیا ہے وہ اسی قدر عظمتِ الٰہی کے سامنے خائف اور لرزاں رہتا ہے، وہ کیسا بھی عظیم الشان کام کرے اور کتنی ہی نیّت صاف اور خالص بنا کر پیش کرے؛ مگر احکم الحاکمین بے نیاز کے سامنے اس کو اطمینان کہاں؟ جب تک کے خاتمہ بالخیر نہ ہو جائے۔

بہر حال: حضرتؒ نے فرمایا کہ: مجھ کو برابر یہ خیال ستا تا رہتا ہے کہ میری وجہ سے تم سب بھی پکڑے گئے اور مزید اس خیال نے تو اور بھی بے چین کر دیا ہے کہ غالباً ہم سبھوں کو سزائے موت دی جائے گی، خیر! میرا تو کچھ نہیں بگڑنے والا ہے؛ کیوں کہ میں تو اپنی طبعی عمر سے آگے بڑھ چکا ہوں؛ مگر تم سب کی طرف سے بہت بڑا خیال و ملال تھا اور ہے کہ تم سب نوعمر میری وجہ سے گرفتار ہوئے۔

خدّام نے عرض کیا کہ: یہ سب اللہ کے راستے میں واقع ہوا ہے، پھر کیا فکر ہے؟

اس وقت حضرتؒ کی عجیب حالت تھی؛ حالاں کہ ضبط نہایت قوی تھا، کبھی اپنے آپ کو بے اختیار نہیں ہونے دیتے تھے؛ مگر اس وقت بے اختیار ہو گئے، آنکھیں

آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں، چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمانے لگے کہ:

بھائی! یہی تو ڈر ہے؛ اس لیے کہ اللہ کی درگاہ نہایت بے نیاز ہے، آدمی اپنی جان تک دے دے؛ مگر کیا خبر وہ قبول فرماتے بھی ہیں یا نہیں؟

یہ کہہ کر چپ ہو گئے اور کچھ عرصے تک خاموش رہے۔ (ص:۷۹ تا ۸۱)

قیدیوں کی تفریح

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: تمام قیدیوں کو قید خانے سے باہر جانے کی کسی وقت میں اجازت نہ تھی؛ البتہ دس بجے سے بارہ بجے تک دو گھنٹے کی مقدار اجازت ملتی تھی اور بعضوں کو خاص طور سے دو بجے سے چار بجے تک میں بھی اجازت دی جاتی تھی۔

دونوں طرف حفاظت کے لیے سپاہی کھلی سنگین و بندوق لیے ہوئے چلتے تھے اور بیچ میں نہتے قیدی لوگ، اس طرح ان کو تین چار میل کی مسافت تک لے جاتے تھے اور پھر واپس لاتے تھے، بیچ میں کہیں کہیں دس پندرہ منٹ راحت کے لیے دیتے تھے اور عموماً شہر میں نہیں لے جاتے تھے؛ بلکہ جنگل کی طرف لے جاتے تھے۔

ٹھنڈی کے دنوں میں دوپہر میں دو بجے سے چار ساڑھے چار بجے تک اور گرمیوں میں صبح پانچ ساڑھے پانچ بجے سے آٹھ بجے تک تفریح ہوتی تھی؛ مگر گرمیوں میں سمندر پر لے جاتے تھے اور تقریباً پندرہ یا بیس منٹ وہاں ٹھہرتے تھے؛ چنانچہ جس کو دریا میں نہانے کا شوق ہوتا تھا تو وہ نہاتے تھے اور جن لوگوں کو دریا میں تیرنے یا نہانے کا شوق نہیں ہوتا تھا تو وہ کنارے پر بیٹھے رہتے تھے، اور سپاہی چاروں طرف حفاظت کے لیے کھڑے رہتے تھے۔

دریا میں بھی حد مقرر ہوتی تھی جس پر چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھوڑی تھوڑی دور کھڑی رہتی تھی اور سپاہی بھی جنگی آلات کے ساتھ اس میں موجود رہتے تھے۔

حضرت مولاناؒ بہت زیادہ اصرار پر فقط ایک مرتبہ اس تفریح میں تشریف لے گئے تھے، عموماً مولوی عزیر گل صاحب اور وحید جایا کرتے تھے اور کبھی کبھی مولوی حکیم نصرت حسین صاحب بھی۔ (ص: ۱۱۳)

حضرت مدنیؒ کے جیل میں حفظ کی تفصیل

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: مجھ کو طالبِ علمی کے زمانے سے شوق تھا کہ قرآن شریف حفظ کروں ؛مگر بدقسمتی سے کبھی ایسا فارغ وقت نہ ملا تھا کہ اس مراد کے حاصل کرنے کی کوئی صورت ہوتی ؛لیکن جب مالٹا پہنچا تو تقریباً نصف جمادی الاول سے شعبان کے اخیر تک پندرہ پارے یاد کرلیے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے صفر کے مہینے تک پورا قرآن ختم ہوگیا اور پھر روزانہ دور کر کے محفوظ رکھا اور رمضان شریف میں حضرتؒ نے سن بھی لیا۔

جیل میں حضرت مدنیؒ کی تین آرزوئیں

قرآن شریف یاد کر لینے کے بعد ترکی زبان کی طرف توجہ کی؛ کیوں کہ مالٹا میں داخل ہونے کے وقت؛ بلکہ قید ہونے کے زمانے ہی سے میری تین آرزوئیں تھیں:

① ترکی زبان سیکھنا۔ ② قرآن شریف حفظ کرنا۔

③ باطنی اشغال میں ترقی کرنا۔

اللہ کے فضل وکرم سے اول دو آرزوئیں تو ایک درجہ تک حاصل ہوگئیں ؛مگر

تیسرا مقصد کامل شیخ کی صحبت اور وقت کی فراغت کے باوجود اپنی بدقسمتی سے حاصل نہیں ہوا:

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبرِ کامل	کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

مگر پھر بھی مجھ کو اللہ تعالیٰ کی عنایتوں اور بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل سے اس باب میں بہت کچھ امیدیں ہیں؛ اس لیے کہ ارشادِ قرآنی ہے:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ. (الزمر:۵۳)

ترجمہ: تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔

اللہ والوں کی توجہ کبھی نہ کبھی تو ضرور رنگ لاتی ہے:

اولئك قوم لا يشقى جليسهم. (ص:۱۷۰)

ترجمہ: یہ وہ قوم ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والے محروم نہیں ہوتے۔

نوٹ: یہ حضرت مدنیؒ کی تواضع ہے؛ ورنہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مدنیؒ کو بہت اونچا روحانی اور باطنی مقام عطا فرمایا تھا۔

مالٹا کا اسلامی قبرستان

مالٹا میں کوئی اسلامی قبرستان نہیں رہا تھا؛ اس لیے سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم نے زمین کا ایک بڑا حصہ برٹش گورنمنٹ سے خرید کر یا بلا قیمت لے کر اس کا بڑا احاطہ اور ضرورت کے مطابق اس میں تعمیر بنوائی ہے۔

ترکی حکومت کی طرف سے ہمیشہ ایک عالم امام یہاں رہتا ہے جو کہ اپنے ہاتھ سے ہر مسلمان مردے کی تجہیز و تکفین، غسل وغیرہ کے فرائض کو ادا کرتا ہے۔ (ص:۱۵۰)

حکیم نصرت حسین کا تعارف

حکیم صاحب موصوف اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے، آپ نے دیوبند میں علمِ حدیث وغیرہ پڑھا تھا، مولانا شبیر احمد صاحب کے ساتھ دورہ میں شریک تھے اور دیوبند ہی میں ان کی دستار بندی ہوئی تھی، حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت بھی تھے، حضرتؒ سے آپ کا خاص تعلق تھا، آپ طبِ یونانی سے بھی واقف تھے، طبیعت بہت زیادہ جوشیلی اور اللہ پرست تھی، تہجد کے نہایت ہی پابند تھے، ہندوستان کی غلامی نے ان کو بہت فکر میں ڈال رکھا تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ کو ہندوستان کی آزادی کی ہمیشہ دھن لگی رہتی تھی۔ (ص:۱۷۱)

حکیم صاحب کا مالٹا میں وصال

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: آپ کو معدے کی کمزوری کی شکایت پہلے سے تھی اور ہمیشہ گھر پر بھی بخار وغیرہ میں مبتلا رہتے تھے؛ لیکن مالٹا میں کچھ عرصہ کے بعد طبیعت خوب سنبھل گئی تھی اور معدہ کی کمزوری اور بخار وغیرہ کی جو شکایتیں ان کو تھیں وہ جاتی رہی تھیں۔

مگر رجب ۱۳۳۶ھ سے ان کو پھر تپ ولرزہ کے دورے شروع ہوگئے اور یہی حال پورا شعبان رہا، رمضان آنے پر انھوں نے روزے بھی رکھے اور شعبان کے آخر میں بعض مسہلات بھی استعمال کیے؛ مگر فائدہ نہ ہوا، رمضان کے آخر میں مجبوراً ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا گیا، ڈاکٹر نے مختلف دوائیں استعمال کرائیں؛ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، عید کے بعد پھر ڈاکٹر آیا اور اس نے کہا کہ: ان کو ہسپتال جانا چاہیے۔

ہم نے زور دیا کہ ان کی دوا یہیں کی جاوے؛ مگر اس نے کہا کہ: یہاں باقاعدہ علاج نہیں ہوسکتا۔ ہم نے درخواست کی کہ: ہم میں سے ایک آدمی ان کے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ: یہ بھی نہیں ہوسکتا، قاعدے کے خلاف ہے۔

ہم نے آفس میں اس کے متعلق درخواست کی کہ: یا تو ہم میں سے ایک آدمی کو وہاں رہنے کی اجازت دی جائے؛ ورنہ کم از کم روزانہ ہم کو ان سے ملنے اور ان کی خبر گیری کرنے کی اجازت دی جائے۔ انھوں نے پہلی بات کی اجازت نہ دی؛ مگر یہ کہا کہ: ہر تیسرے دن تم جا کر دو بجے کے بعد مل سکتے ہو، یہ اجازت ہم کو ان کی روانگی کے پانچ چھ دن کے بعد ملی تھی۔

جب ہم ان کو ملنے گئے تو دیکھا کہ ان کی حالت بہت گری ہوئی اور کمزور ہے، شوال کے آخر میں تو ان کی حالت زیادہ گرنے لگی، اس وقت ہم نے آفس سے درخواست کی کہ ہم کو وہاں رہنے کی اجازت دی جائے؛ مگر جواب آنے میں بہت تاخیر ہوئی؛ غالباً ۷ رذی قعدہ کو اجازت ملی؛ مگر فقط تحریری اجازت تھی، جب ہم نے چاہا تو افسروں کے موجود نہ ہونے یا کسی اور عذر سے ایک دو دن کی تاخیر کرا دی گئی، نویں تاریخ کو پھر جب ہم اجازت لینے گئے تو ہم کو خبر دی گئی کہ ان کا رات کو صبح کے قریب انتقال ہوگیا، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون.

ہماری کوششوں کی وجہ سے الحمد للہ! پوسٹ مارٹم نہیں کیا گیا۔

حضرتؒ نے غمگین دل کے ساتھ جنازے کی نماز پڑھائی اور دروازہ کے قریب ہی ان کی قبر کھودی ہوئی تیار تھی، اس میں دفن کر دیے گئے، آپ کی قبر پر حضرتؒ کی رائے پر ایک پتھر لگا دیا گیا ہے۔

حکیم صاحب کا نماز کا شوق

وفات سے ایک دن پہلے جب ہم ان کے پاس گئے تھے تو آواز بہت پست پائی تھی؛ مگر وہ خود اطمینان سے تھے، کسی قسم کی گھبراہٹ ان کو نہ تھی، ڈاکٹروں کی طرف سے ان کو اٹھنے اور چلنے کی اجازت نہیں تھی اور چارپائی پر اشارے سے نماز پڑھنا تھا؛ اس لیے چارپائی اور ان کا رخ قبلے کی طرف کر دیا تھا؛ مگر یہ معلوم ہوا کہ وہ رات کو چارپائی سے اتر کر خفیہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ (واللہ اعلم)۔ (ص:۱۷۲تا۱۷۵)

مالٹا سے واپسی

حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ: ۲۲/ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ، مطابق ۱۲/ مارچ ۱۹۲۰ء جمعہ کے دن تقریباً دن کے دس بجے ہم مالٹا سے روانہ ہو کر آگبوٹ پر سوار کرا دیے گئے اور ۲۵/ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ، مطابق ۱۵/ مارچ ۱۹۲۰ء کو صبح کے قریب ہمارا یہ آگبوٹ اسکندریہ پہنچا۔ (ص:۱۷۸)

۱۳/رجب ۱۳۳۸ھ مطابق ۲/اپریل ۱۹۲۰ء کو وہاں سے روانگی ہوئی اور ہم اسٹیشن پر پہنچائے گئے اور وہاں سے فرسٹ کلاس میں سفر کر کے شام کے قریب ہم سوئز پہنچے۔

ہمارا خیال یہ تھا کہ وہاں آگبوٹ تیار ملے گا؛ مگر بد قسمتی سے آگبوٹ کے لیے ہمیں تقریباً پونے دو مہینے انتظار کرنا پڑا؛ چنانچہ اتنا عرصہ ہم کو پھر قیدیوں کے کیمپ میں داخل کر دیا گیا۔ (ص:۱۸۰)

پانچ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۲۰ء اتوار کے دن دس

بجے صبح کو کیمپ سے روانہ ہو کر آگبوٹ پر پہنچے اور ہمیں آگبوٹ میں سوار کر دیا گیا؛ چنانچہ اسی روز شام کو آگبوٹ روانہ ہو گیا، ۱۲ /رمضان المبارک کو اتوار ہی کے دن آگبوٹ عدن پہنچا اور پھر ۲۰ /رمضان المبارک کو پیر کے دن بمبئی پہنچا۔ (ص:۱۸۱)

بمبئی میں سر رحیم بخش سے ملاقات کا واقعہ

بمبئی آگبوٹ پہنچنے پر سب سے پہلے ''سی آئی ڈی'' کا انگریز آفیسر دو تین ہندوستانی افسروں کے ساتھ جن میں بہاؤ الدین صاحب بھی تھے آئے، اس انگریز نے حضرتؒ سے کہا کہ: میں کچھ آپ سے علیحدہ باتیں کرنا چاہتا ہوں؛ چنانچہ حضرتؒ کمرے میں چلے گئے، اس نے کہا کہ: مولوی رحیم بخش صاحب یہاں آئے ہیں، آپ بغیر ان سے ملے ہوئے ہرگز جہاز سے نہ اتریں! یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

ہم نے کافی انتظار کیا؛ مگر وہ نہ آئے؛ اس لیے آخر کار اسباب لے کر اتر آئے۔

اس کے بعد مولوی رحیم بخش صاحب وہاں پہنچے، حضرتؒ سے ملاقات ہوئی، معلوم ہوا کہ موصوف گورنمنٹ کی طرف سے حضرتؒ پر اثر ڈالنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے اور مقصد یہ تھا کہ: حضرتؒ یہاں پہنچنے کے بعد سیاسیات میں دلچسپی نہ لیں؛ مگر حضرتؒ اپنے ارادوں میں بالکل کمزور نہ تھے؛ بلکہ بڑے پختہ ارادوں کے حامل تھے اور ان کی یہ پختگی گورنمنٹ اور لوگوں پر ظاہر بھی ہو چکی تھی۔

ادھر مولوی صاحب موصوف حضرتؒ کی شدتِ عزم و استقلال سے واقف تھے؛ اس لیے انھوں نے دھیمے الفاظ استعمال کیے اور جلسوں وغیرہ کی شرکت سے نفرت ضرور دلائی، جلسوں میں جو بے عنوانیاں ہوتی تھیں ان کا تذکرہ بھی فرمایا اور اس

پر زور دیا کہ: حضرتؒ اتر نے کے ساتھ ہی ریل پر سوار ہو کر دیو بند کو روانہ ہو جاویں، بمبئی میں خلافت والوں کے ہاتھ میں نہ پڑیں۔

انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ: میں آپ کو آپ کے قلبی ارادوں اور مذہبی عزائم سے روکنا نہیں چاہتا؛ مگر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ پر اس ضعیف العمری میں کوئی اور بدظنی گورنمنٹ کو پیدا نہ ہو جائے۔

مگر وہاں بقولِ شخص: یہ وہ نشے نہیں جنھیں تُرشی اتار دے۔

بہر حال! حضرتؒ نے ان کی ایک بھی نہ سنی، ''خلافت کمیٹی'' نے حضرتؒ کا استقبال کیا اور انھی کے مکان میں قیام فرمایا، انھی کے یہاں دعوتیں ہوئیں۔

پھر ۲۲ اور ۲۳ رمضان کو قیام فرما کر جمعرات کی شام کو ۲۴ رمضان کی رات میں ایکسپریس پر روانہ ہو کر ۲۵ رمضان کی صبح کو سنیچر کے دن دہلی پہنچے، ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوٹھی پر قیام فرمایا اور اتوار کی رات کو وہاں سے روانہ ہو کر ۲۶ رمضان المبارک کو تقریباً ۹ بجے صبح کو دیو بند پہنچے، دیو بند میں استقبال کرنے والوں کا بہت بڑا مجمع تھا۔ (ص:۱۸۱)

امتِ مسلمہ کے لیے سوزِ دل

مالٹا سے دو سبق

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات عشا کے بعد حضرتؒ دار العلوم میں تشریف فرما تھے، علما کا بڑا مجمع سامنے تھا ، اس وقت فرمایا کہ: ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں۔

یہ الفاظ سن کر سارا مجمع متوجہ ہوگیا کہ اس استاذ العلما درویش نے اتنے سالوں علما کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں؟

فرمایا کہ: میں نے جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی حیثیت سے کیوں تباہ ہورہے ہیں؟ تو اس کے دوسبب معلوم ہوئے:

① ان کا قرآن کو چھوڑ دینا۔ ② آپس کے اختلافات اور لڑائیاں۔

اس لیے میں وہیں سے یہ پختہ ارادہ کر کے آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ **قرآنِ کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے**، بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی قائم کیے جائیں، بڑوں کو عوامی درس کی صورت میں اس کے معانی سے باخبر کیا جائے اور قرآنی تعلیم پر عمل کے لیے تیار کیا جائے اور مسلمانوں کے آپسی لڑائی کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔

نباضِ امت نے ملتِ مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی، باقی زندگی کے ایام میں کمزوری و بیماری اور بہت زیادہ مشغولیوں کے باوجود اس کے لیے لگاتار کوشش فرمائی، بذاتِ خود درسِ قرآن شروع کیا، جس میں شہر کے تمام علما اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے علما بھی شریک ہوتے تھے اور عوام بھی، اس ناکارہ (مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ) کو اس درس میں شرکت کا شرف حاصل رہا ہے؛ مگر اس واقعہ کے بعد حضرتؒ کی عمر ہی گنتی کے چند ایام تھی۔

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

(از: البلاغ مفتی اعظم نمبر، ج۱، ص:۲۲۹)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے ساتھ برطانیہ سے مالٹا اور قبرص کا سفر

از: مفتی یوسف شبیر احمد برطانیا

نوٹ: یہ انگریزی سفر نامہ کا خلاصہ ہے

رفقائے سفر

ہمارے اِس سفر کے رفقا مندرجۂ ذیل ہیں:

① شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم۔

② آپ کے علمی معاون: مولانا شاکر صدیق جکھورا صاحب۔

③ راقم السطور: (مولانا) یوسف بن شبیر۔

④ مولانا حنیف دودھ والا۔

⑤ مولانا رفیق صوفی۔

⑥ سلیم محمد پٹیل۔

⑦ مولانا محمد ابن آدم۔

⑧ مولانا عمر فاروق پانڈور۔

⑨ فرید احمد ٹیمول (Timol)۔

⑩ یحییٰ بن مولانا محمد باٹھا (بارڈولی والے)۔

⑪ عبد العزیز راجا۔

⑫ عبد الحق ڈاٹا۔

⑬ طلحہ ڈاٹا۔

آخر تین صرف قبرص (Cyprus) تشریف لائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا دن: پیر، ۸/ جولائی / ۲۰۱۹ء

مقدمہ

چند ہفتے پہلے حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری اوران کے رفقا کے ساتھ مالٹا کا سفر کیا تھا جس کی کارگزاری ابھی گزری، اوراس کی کارگزاری ہماری ویب سائٹ پر بھی موجود ہے۔

اُس سفر میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم بھی ہمارے ساتھ تشریف لانے والے تھے؛ لیکن کسی وجہ سے وہ شریک نہ ہو سکے تھے؛ لہذا ہم نے یہ سوچا کہ حضرت کا مالٹا کا سفر ہو جائے اور ساتھ ہی ساتھ قبرص کا بھی۔

برطانیہ سے مالٹا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ۵/ جولائی جمعہ کے دن برمنگھم (Birmingham) کے پروگرامات میں شرکت کے لیے برطانیہ تشریف لا چکے تھے، اس کے بعد ۸/ جولائی پیر کے روز حضرت کچھ رفقا کے ساتھ برمنگھم انٹرنیشنل ایئر پورٹ سے صبح چھ بجے کی فلائٹ سے برسلس (Brussels) ہوتے ہوئے ۱۱:۴۰ کو مالٹا تشریف لائے اور ہم باقی ساتھی ان سے ایک گھنٹہ پہلے مانچسٹر (Manchester) سے ڈائریکٹ فلائٹ سے مالٹا پہنچ چکے تھے۔

ایئر پورٹ پر ہمارے خاص دوست نیول گافا (NevilleGafa) صاحب

نے ہمارا استقبال کیا، انھوں نے ائیر پورٹ کے ذمہ داروں اور انتظامیہ کو حضرت کی تشریف آوری کے متعلق پہلے سے ہی اطلاع دے دی تھی؛ تاکہ آسانی ہو جائے۔

نیول صاحب مالٹا کے وزیرِ اعظم (Prime Minister) کی آفس میں کام کرتے ہیں، انھوں نے ہمارے اس پورے سفر میں ہمارا بہت ہی ساتھ دیا۔

ترکی عثمانی قبرستان
(Turkish Military Cemetery)

ائیر پورٹ سے سب سے پہلے ہم عثمانی قبرستان گئے جو کہ ائیر پورٹ سے دس منٹ کے فاصلہ مارسا (Marsa) میں ہے، موسم بھی کافی گرم تھا، تقریباً ۳۵/ ڈگری سے زیادہ تھا۔

ہم لوگ قبرستان ساڑھے بارہ بجے پہنچے اور جیسا کہ ہمارے گزشتہ سفر میں ترکی سفارت خانہ سے پہلے سے اجازت نہ لینے کی بنیاد پر ہم اس قبرستان میں داخل نہیں ہو سکے تھے؛ لیکن الحمد للہ! اس سفر میں ہمارے نیول صاحب نے پہلے سے ترکی سفارت خانہ (Turkish Embassy) سے اجازت لے لی تھے؛ اس لیے ہم الحمد للہ! قبرستان میں داخل ہو سکے۔

قبرستان کے اندر ایک پتھر ہے جہاں پر اس قبرستان کے متعلق کچھ تفصیلات لکھی گئی ہے؛ چنانچہ اس کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

اس قبرستان کی تعمیر ۱۸۷۴ء میں ہوئی تھی، اس کا آرکٹیک E.L.Galizia تھا اور عثمانی سلطان ”عبدالعزیز خان“ کے حکم پر ان لوگوں کی یادگار میں اس کی تعمیر ہوئی

تھی جو یہاں ۱۵۶۵ء میں بڑے حصار کے موقع پر شہید ہوئے تھے۔

پھر اس کے بعد ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء کے درمیان اشرف بیگ نے اس قبرستان کی مرمت کروائی تھی، جو کہ یہاں مسلمان قیدیوں کے کمانڈر تھے اور انھوں نے یہاں ان شہدا کی یاد میں ایک یادگار عمارت (Monument) بھی رکھوایا تھا۔

اس پتھر میں ۱۵۶۵ء کے جس بڑی جنگ کا تذکرہ ہے یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں سب سے پہلے عثمانی سلطنت نے مالٹا فتح کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس قبرستان میں حکیم نصرت صاحب کی قبر ہے اور وہاں ایک پتھر ہے، انگریزی رسم الخط میں ان کا نام اس پتھر پر لکھا ہوا موجود ہے؛ گو اصلاً عربی میں لکھا ہوا تھا جیسا کہ گذشتہ سفر کی کارگزاری میں ذکر کیا جا چکا۔

ڈپلومٹ (Diplomat) ہوٹل

جب ہم قبرستان سے ہوٹل جانے کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں حضرت حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اس واقعہ کا تذکرہ فرمایا جس کو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ: جب وہ یہاں قیدی بن کر تشریف لائے تو ان کو چھ گھنٹے تک ساحل پر انتظار کرایا گیا تھا۔ (سفر نامہ ص:۱۲۵)

حضرت مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ: یہ حضرات صبح دس بجے تشریف لائے تھے اور پھر چھ گھنٹے تک یہاں بندرگاہ (Port) میں ان کو رکھا گیا تھا، اندازہ کیجیے کہ: انھوں نے یہ چھ گھنٹے کس طرح گزارے ہوں گے، کیا کیا تصورات ان کے ذہنوں میں آئے ہوں گے کہ اب ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ کیا ہمیں قتل کر دیا جائے گا؟

ہمیں کہاں لے جایا جائے گا؟ کیا ہمیں ہمیشہ کے لیے قید میں رکھا جائے گا؟

پھر حضرت مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ: شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ شیخ الہند کے بہت ہی زیادہ عاشق تھے؛ چنانچہ میرے والد صاحب حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ اس بات کا تذکرہ فرماتے تھے کہ: مجھے وہ منظر یاد ہے جب حضرت شیخ الہندؒ کی صاحب زادی کے نکاح کے موقع پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنے سر پر پانی کا ایک مٹکا لے کر شیخ الہندؒ کے گھر تشریف لے جارہے تھے۔

ہم لوگ ہماری ہوٹل ڈپلومٹ میں سوا ایک بجے پہنچے، ہوٹل بالکل ساحل پر ہے اور بہت ہی خوب صورت منظر لگتا ہے۔

ہمارے میزبان شیخ بدر جو گذشتہ سفر میں ہمارے ساتھ تھے اور نیول صاحب ان دونوں نے ہمارے پورے سفر کی ترتیب دی تھی؛ چنانچہ شیخ بدر یہاں پر ہمارا انتظار کر رہے تھے، شیخ بدر اور ان کے ساتھ شیخ زکریا اور دوسرے احباب بھی ہمارے لیے کھانا لائے، ہم نے کھانا کھایا اور پھر قیلولہ کیا۔

مالٹا اسٹاک ایکسچینج (Malta Stock Exchange)

مالٹا کی معیشت (Economy) ابھی بہت ہی ترقی پر ہے اور ان کا پروگرام یہ ہے کہ یہ آگے جا کر بہت بڑا اقتصادی (Financial) مرکز بنے گا اور چوں کہ اس کا محلِ وقوع بھی کچھ اس طرح ہے کہ وہ ساؤتھ یورپ اور افریقہ کے درمیان ہے تو گویا کہ یہ افریقہ اور یورپ کے لیے دروازہ ہے۔

ہمارے میزبان نیول صاحب اور شیخ بدر کی رائے یہ تھی کہ: مالٹا کے اسٹاک

ایکسچینج کے چیر مین (Chairman) کے ساتھ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی میٹنگ ہونی چاہیے؛ تاکہ ان کے ساتھ اسلامک بینکنگ کے سلسلے میں کچھ بات چیت ہو؛ چونکہ حضرت کو اقتصادیات (IslamicFinance) کے معاملے میں کافی مہارت حاصل ہے۔

چنانچہ پہلے ہی سے بندے نے اسٹاک ایکسچینج کے چیر مین کو ای میل کر دیا تھا اور میٹنگ کا وقت بھی پہلے سے طے کر دیا تھا؛ اس لیے ہم لوگ مقرر وقت پر چھ بجے مالٹا اسٹوک ایکسچینج میں پہنچے اور وہاں کے چیر مین مسٹر جوزف پورٹیلی (Mr.Joseph portelli) اور ان کی چیف ایگزیکیوٹو آفسر (ceo) کے ساتھ ملاقات کی اور کافی تفصیلی باتیں ہوئیں، جس میں حضرت مفتی صاحب نے اس سلسلے میں اپنے جو تجربات تھے وہ ان کو بتلائے اور فرمایا کہ: اسلامک فائنانس (Islamic Finance) یہ ایسا نظام ہے جو سب سے تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے اور پھر اسلامک فائنانس اور مروجہ فائنانس (Conventional Finance) کے درمیان جو فرق ہے اس کو بھی بتایا کہ: مروجہ سسٹم جو دنیا میں رائج ہے یہ ببل اکونومی (Bubble Economy) ہے، اس کے پیچھے کوئی سرمایہ نہیں ہوتا؛ جب کہ اسلامی نظام میں اثاثے (Assets) کا وجود ضروری ہے، پھر آخر میں حضرت مفتی صاحب نے ان سے کہا: اسلامک بینکنگ کو اگر رائج کرنا ہو تو اس کے لیے کچھ کانفرنس اور سیمینارر کھے جائیں اور ساتھ ہی ساتھ بینکس کے ساتھ بات چیت شروع کی جائیں کہ وہ کس طرح اسلامک فائنانس پڑوڈکٹ (Products) کو مارکیٹ میں شروع کر سکتے ہیں۔

بہر حال! میٹنگ کافی فائدہ مند ثابت ہوئی؛ چنانچہ میٹنگ کے آخر میں چیر مین

صاحب نے اس بات کا اظہار بھی کیا کہ ہمیں مالٹا کو اسلامک فائنانس کا مرکز بنانا ہے۔

وہاں پڑوس ہی میں کچھ بہت ہی خوب صورت باغات ہیں جہاں سے دریا بھی نظر آتا ہے اور مالٹا کا کافی سارا حصہ بھی نظر آتا ہے؛ چنانچہ میٹنگ سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑی دیر ہم نے وہاں سیر وتفریح کی۔

الفاتح مسجد فلوریانا (Floriana) میں حضرت کا پروگرام

پھر وہاں سے فارغ ہوکر ہم لوگ ''الفاتح'' مسجد گئے اور ہم نے وہاں عصر کی نماز ادا کی، یہ وہی مسجد ہے جہاں گذشتہ سفر میں حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب نے جمعہ سے پہلے تقریر کی تھی اور جہاں پر ہمارا قیام تھا۔

عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ہم نے کچھ سیر وتفریح کی، پھر اس کے بعد سوا آٹھ بجے واپس مغرب کی نماز پڑھنے کے لیے الفاتح مسجد آئے، مفتی صاحب نے مغرب کی نماز پڑھائی اور پھر خطاب فرمایا، تقریباً پچاس کے قریب احباب تشریف لائے تھے، مفتی صاحب نے عربی میں خطاب فرمایا اور شیخ بدر نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

حضرت شیخ الاسلام کا خطاب: مالٹا کے سفر کے دو مقصد

سب سے پہلے مفتی صاحب نے اپنا مختصر تعارف کروایا کہ: میں ایک طالب علم ہوں اور دار العلوم کراچی کا نائب مہتمم ہوں اور بفضلہٖ تعالیٰ صحیح بخاری کا درس دیتا ہوں اور مسلم شریف پر کچھ حواشی بھی میں نے لکھے ہیں، پھر اس کے بعد مفتی صاحب نے سفر کے دو مقصد بیان فرمائے، ارشاد فرمایا کہ: میں یہاں سیر وتفریح کے لیے نہیں آیا

ہوں ؛ بلکہ میں اس غرض سے یہاں آیا ہوں کہ اس زمین کی زیارت کروں جہاں شیخ الہندؒ کو بطورِ قیدی رکھا گیا تھا۔

شاید آپ لوگوں کو معلوم ہوگا کہ: ہمارے استاذ الاساتذہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ جن کو علومِ شرعیہ میں کافی مہارت حاصل تھی اور آپ کے شاگرد بھی پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، انھوں نے ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرانے کے لیے ریشمی رومال کی تحریک شروع کی تھی ، پھر اپنوں کی غداری کی وجہ سے وہ راز فاش ہوگیا، پھر آپ کو تین سال یہاں مالٹا میں قید رکھا گیا اور آپ کو بڑی مشقتیں پیش آئیں۔

حضرت مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ: سائنس نے یہ بات ثابت کی ہے کہ جب آدمی بولتا ہے تو اس کی آواز ہوا میں رہتی ہے تو اسی طرح یہ ہوا ان نفوسِ قدسیہ کی عبادت اور ان کے سجدے اور ان کے استغفار کی گواہی دیتی ہے اور یہ فضا بہت مبارک ہے، اس وجہ سے میری تمنا تھی کہ اس جگہ کی زیارت کروں۔

پھر اس کے بعد فرمایا کہ: میرا یہاں آنے کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ میں یہاں اپنے بھائیوں سے ملوں اور ان کے ساتھ تعلق قائم کروں۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کے لیے

اور پھر آخر میں مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ: اگر اللہ رب العزت کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرنا ہو تو تین چیزوں کا اہتمام کرنا چاہیے:

(۱) ہر روز – چاہے پندرہ منٹ کے لیے ہی کیوں نہ ہو – ایک وقت نکال کر خود بھی دین سیکھیں اور گھر والوں کو بھی سکھائیں۔

۲ اپنی ہر ہر ضرورت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں؛ چاہے وہ ضرورت چھوٹی ہو یا بڑی ہو۔

۳ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کریں۔

شام کا کھانا اور حضرت شیخ الاسلام کی مرغوبات

پروگرام کے بعد ایک شامی بھائی نے ''کاروان (Karavan) ہوٹل'' میں ہماری دعوت کی، جب ہم اس ہوٹل میں کھانے بیٹھے تو کھانے کے دوران ہم نے حضرت مفتی صاحب سے پوچھا کہ: آپ کی محبوب ترین غذا کونسی ہے؟

آپ نے فرمایا کہ: بھینس کے پائے؛ بشرطیکہ اس کو پوری رات برابر پکایا گیا ہو، اسی طرح نہاری اور میٹھی چیزوں میں گاجر کا حلویٰ اور آئس کریم بھی ڈال دی جائے تو نور علی نور۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہوتے ساڑھے دس بج گئے تھے؛ چوں کہ دن بہت لمبا تھا اور حضرت صبح ساڑھے تین بجے سے نکلے ہوئے تھے؛ اس لیے حضرت کو اور سب ساتھیوں کو آرام کا تقاضا بھی تھا؛ اس لیے فوری طور پر ہوٹل پہنچ کر ہم سب نے آرام کیا۔

دوسرا دن: منگل، ۹/جولائی ۲۰۱۹ء

جزیرۂ غوزو (Gozo Island) اور اِمدینہ (Mdina) کی سیر

دوسرے دن صبح دس بجے ہم جزیرۂ گوزو کی طرف راوانہ ہوئے اور بارہ بجے

کے بعد وہاں پہنچے۔

فلسطینی مسلمانوں کا ایمان

سفر کے دوران امت کے حالات کے سلسلے میں حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی صاحب کے ساتھ تذکرہ ہوا؛ بالخصوص فلسطین کے مسلمانوں کے متعلق حضرت نے ارشاد فرمایا: بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ فلسطینیوں پر یہ طرح طرح کی آزمائشیں ان کی دینی ایمانی کمزوری کی بنا پر ہیں، یہ خیال درست نہیں ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی ایمانی قوت باقی امت کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے، جس کا مشاہدہ وہاں کے بچے بچے میں آئے دن ہوتا ہے جب وہ بزدل اسرائیلی فوج کا مقابلہ پتھروں سے کر رہے ہوتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے کبھی فلسطین کا سفر نہیں فرمایا ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ پورے فلسطین اور پورے شام کے مسلمانوں پر رحم فرمائے اور اس مقدس زمین کی رہائی کے فیصلے فرمائے۔

سیٹادیل میں پرانا قید خانہ(Old Prison Citadel)

ہم لوگ ساڑھے گیارہ بجے سیٹادیل پہنچے اور دو تین گھنٹے یہاں گزارے، یہ یہاں پہاڑی پر ایک پرانا شہر ہے اور چاروں طرف سے قلعہ جیسا ہے، الحمد للہ! اس سفر میں ہم کو جیل خانے کے اندر داخل ہونے کا موقع ملا۔

اس قید خانہ کے اندر دو سو، تین سو سال پہلے کی کچھ پرانی چیزیں ہیں اور قیدیوں کی اس وقت کی کچھ لکھی ہوئی چیزیں بھی موجود ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی چیزیں

موجود ہیں، اس قید خانہ کو سولہویں صدی سے بیسویں صدی کے بیچ تک استعمال کیا گیا تھا۔

اس شہر میں ایک میوزیم ہے وہاں بھی ہم گئے۔ اس سیٹا دیل شہر سے پورے جزیرۂ غوزو نظر آتا ہے اور بہت ہی خوب صورت منظر لگتا ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شیخ الہندؒ اور ان کے رفقا کو اس قید خانے میں قید نہیں کیا گیا تھا۔

سمندری سفر میں درسِ حدیث

یہاں سے دو پہر تین بجے ہم لوگ مالٹا واپس ہوئے، جب ہم فیری (Ferry) پر چل رہے تھے تو اس وقت میں نے حضرت مفتی صاحب سے درخواست کی کہ: وہ حدیث جس کو محدث ثور ابن یزیدؒ نے اپنے استاذ خالد ابن معدانؒ سے دریا میں سفر کرتے ہوئے سنی تھی اس کو پڑھ لوں؟ اس حدیث کو میں نے اپنے جزء امِ حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا میں بھی نقل کیا ہے؛ چنانچہ اس کے الفاظ کچھ اس طرح ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم وبالإسناد المتصل منكم إلى الإمام البخاري (۲۹۲۴) قال حدثني : إسحاق بن يزيد الدمشقي حدثنا يحيىٰ بن حمزة قال : حدثني ثور بن يزيد عن خالد بن معدان أن عمير بن الاسود العنسي حدثه أنه أتى عبادة بن الصامت و هو نازل في ساحة حمص و هو في بناء له و معه أم حرام ، قال عمير : فحدثتنا أم حرام رضي الله عنها أنها سمعت النبي ﷺ يقول : أوّل جيش من أمتي يغزون البحر قد أوجبوا . قالت أم حرام : قلت : يارسول الله ! أنا فيهم ؟ قال : أنت فيهم ، ثم قال النبي ﷺ : أوّل

جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم ، فقلت : أنا فيهم يا رسول الله ؟ قال : لا .و زاد عند ابن أبى عاصم في الآحاد والمثاني (٣٣١٣) : قال ثور : سمعته يحدث به وهو في البحر .

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کے مالٹا کے متعلق عربی اشعار

حضرت ''مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ'' حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد ہیں، آپ کے اردو فتاویٰ کا مجموعہ بہ نام ''کفایت المفتی'' معروف ومشہور ہیں۔

جس زمانے میں حضرت شیخ الہندؒ مالٹا میں تھے اس وقت آپ نے عربی زبان میں کچھ اشعار لکھے تھے جن کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاںؒ نے ''نزہۃ الخواطر'' میں نقل فرمایا ہے، جب ہم مالٹا واپس ہوئے تو میں نے حضرت مفتی صاحب کو حضرت مولانا مفتی کفایۃ اللہ دہلویؒ کے عربی کے وہ اشعار سنائے جو یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

ألا يا مالطة ! طوبىٰ و بشرىٰ	ثوى بك من محا اٰثار كفر
ولم تك قبله إلا خرابا	خمولا غير معروف بخير
فلما حلها عادت رياضا	منضرة من التقوى وذكر
مكللة بأزهار المزايا	وأزهار المزايا خير زهر
ألا يا مالطة ! كونى سلاما	على محمودنا الراضي بقدر
إمام الخلق قدوتهم جميعا	له كرم إلى الآفاق يسري
جنيد العصر سرى الزمان	غيوث فيوضه تهمى وتجري

فريد في خلائقه العذاب	وحيد في التقى من غير فخر
أشد الناس أمثلهم بلاء	فيا شمس الهدى ! ياطود صبر !
ذكرنا يوسف الصديق لما	أسرت بغير استحقاق أسر
لحر البين في صدر الكئيب	تفيض دموعه حمرا كجمر
سينزلك العزيز محل عز	ويضرك النصير أعز نصر
سيكفيك إلا له فأنت مرء	كفاك الله قدما كل شر

دوپہر کا کھانا اور قیلولہ

جزیرۂ مالٹا پہنچنے کے بعد ہم لوگ ایک ہوٹل میں گئے جہاں پر ہمارے سلیم محمد پٹیل صاحب نے ہماری دعوت کی، کھانا کھانے کے بعد ہم نے ہوٹل پہنچ کر آرام کیا۔

دوپہر کے قیلولہ کے بعد مالٹا کی سابق صدر مری (Marie) لوئس نامی خاتون حضرت مفتی صاحب سے میٹنگ کرنے کے لیے ہوٹل پر تشریف لائی، اصل پروگرام یہ تھا کہ ہم خود ان کی آفس میں جانے والے تھے؛ لیکن اس علاقے میں کسی تقریب کی وجہ سے راستے بند کر دیے گئے تھے، جس کی بنا پر ہم وہاں نہ جا سکے تھے۔

یہ خاتون ۲۰۱۴ء سے لے کر ۲۰۱۹ء پانچ سال تک صدر رہی، پہلے وہ منسٹر بھی رہ چکی ہے، مسلمانوں کی بہت خیر خواہ ہے، متعدد عالمی رفاہی کاموں میں بھی حصہ لیتی ہے۔

الحمد للہ! میٹنگ بہت ہی مثبت رہی، جس میں اسلامک فائنانس اور تعلیم کے متعلق گفتگو ہوئی اور اس نے مالٹا یونیورسٹی میں اسلامک فائنانس کے موضوع پر لیکچر

دینے کے لیے حضرت مفتی صاحب کو دعوت بھی دی۔

سفر نامہ لکھنے کی وجہ

آخر میں سابق رئیسہ نے مفتی صاحب سے یہ بھی پوچھا کہ: آپ سفر نامے لکھتے ہیں اس کے لکھنے کی کیا وجہ ہے؟

حضرت مفتی صاحب نے جواب دیا کہ: سفر نامے لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس ملک کا تعارف ہوجائے، اسی طرح اس ملک میں جو بڑے حضرات ایک زمانے میں تھے ان کا بھی تعارف ہو جائے؛ تاکہ لوگ اس کو پڑھ کر ان بڑے حضرات کی اقتدا کر سکے۔

اِمدینہ خاموش شہر (Mdina The Silent City)

اس کے بعد رات کو نو (۹) بجے کے قریب ہم لوگ اِمدینہ گئے؛ یہ درحقیقت ایک بہت ہی پرانا شہر ہے اور چاروں طرف سے قلعہ جیسا ہے اور کچھ اونچائی پر ہے، بالکل جزیرۂ مالٹا کے بیچ میں ہے اور پہلے زمانے میں یہ مالٹا کی راجدھانی (Capital) بھی رہ چکا ہے۔

''mdina'' یہ بظاہر عربی ''مدینہ (Madina)'' سے ہے جس کا معنیٰ: شہر ہے۔

ویسے تو اس شہر کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے کی ہے؛ لیکن ابھی جو عمارتیں نظر آتی ہیں تو اس سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ بازنطانی (Byzantine) یا عربوں کے زمانے کی ہیں۔

ڈیزائن سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ عرب حضرات نے اس کی نئی تعمیر کی تھی۔

بہر حال! اس شہر کی ہم نے زیارت کی اور ایک عمارت بھی دیکھی جس کے متعلق شیخ بدر کی رائے یہ ہے کہ: شاید یہاں پر ایک زمانے میں مسجد تھی۔

اس شہر کو''خاموش شہر'' کہتے ہیں؛اس لیے کہ جس زمانے میں راجدھانی کو یہاں سے منتقل کیا گیا تھا تو گویا کہ اس کی وجہ سے یہ شہر گوسٹ ٹاؤن (Ghost Town)؛ یعنی خالی شہر ہو گیا تھا اور اسی وقت سے اس کو''خاموش شہر'' کہتے ہیں اور ابھی بھی بہت ہی کم گاڑیوں کو شہر کے اندر داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے اور شام کے وقت جب ہم وہاں پہنچے تو بالکل خاموشی اور سناٹا تھا۔

یہاں سے فارغ ہونے کے بعد پھر ہم ایک مقامی ریسٹورنٹ میں گئے، وہاں ہم نے کھانا کھایا اور پھر واپس ہوٹل لوٹ آئے۔

تیسرا دن: بدھ، ۱۰/جولائی ۲۰۱۹ء

ورڈالا انٹرنیشنل اسکول (پیمبروک قلعہ)

چوں کہ یہ مالٹا میں ہمارا آخری دن تھا؛اس لیے ہم لوگ صبح ہوٹل سے ۱۱/بجے سامان لے کر سب سے پہلے ورڈالا (Verdala) انٹرنیشنل اسکول (پیمبروک (Pembroke) قلعہ) گئے اور اسی طرح ایئر پورٹ جانے سے پہلے ہم''مریم البتول مسجد'' بھی گئے۔

ہم لوگ صبح گیارہ بجے ورڈالا (Verdala) انٹرنیشنل اسکول (پیمبروک (Pembroke) قلعہ) پہنچے،اور وہاں کے مقامی اسٹاف نے اسکول کی سیر بھی

کرائی اور یہ بھی بتایا کہ: اسکول یہاں کچھ بیس سال پہلے منتقل ہوئی تھی اور اس قلعہ کا نام قلعہ پیمبروک ہے۔

نوٹ: یہ وہ جگہ نہیں ہے جہاں حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقا کو قید میں رکھا گیا تھا۔

الدنيا سجن المومن و جنة الكافر

بندے نے موقع کو غنیمت سمجھ کر حضرت کے سامنے سنن ترمذی کی مندرجۂ ذیل حدیث پڑھی:

وبالسند المتصل منكم إلى الإمام أبي عيسى محمد بن عيسى الترمذی رحؒ قال : باب ماجاء ان الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر ، حدثنا قتيبة حدثنا عبد العزيز بن محمد عن العلاء بن عبد الرحمن عن أبيه عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : الدنيا سجن المومن وجنة الكافر.

و في الباب عن عبد الله ابن عمرو . قال أبوعيسى : هذا حديث حسن صحيح.

شیخ الہند اور ان کے رفقا کو قید میں کہاں رکھا گیا تھا؟

قید خانہ کا محلِ وقوع

گذشتہ سفر نامے میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا کہ: قلعہ ورڈالا وہی

جگہ ہے جہاں پر شیخ الہندؒ اور ان کے رفقا کو قید میں رکھا گیا تھا اور آخر میں شیخ محمد عبد الرحمن الصباحی کی کتاب ''خمس سنین فی مغاور الاسر'' کی طرف اشارہ بھی کیا گیا تھا، جو مصر سے ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی تھی، جس میں شیخ محمد عبد الرحمن الصباحی نے اپنے مالٹا میں قید ہونے کے حالات بیان کیے ہیں، اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی کہ: یہ وہی جگہ ہے جہاں پر شیخ الہندؒ اور ان کے رفقا کو قید میں رکھا گیا تھا۔ یہ قلعہ ورڈالہ کوسپکوا (Cospicua) میں ہے۔

اس کتاب میں اور بھی قرائن ذکر کیے گئے ہیں اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ: قید خانہ یہی تھا۔

چنانچہ یہاں پر ان قرائن کا خلاصہ بیان کرتا ہوں:

① شیخ محمد عبد الرحمن الصباحی فرماتے ہیں کہ: ان کو جس قید خانہ میں رکھا گیا تھا وہ ایک فوجی قلعہ (Military Fort) کے اردگرد تھا۔

مزید فرماتے ہیں کہ: قیدیوں کے لیے دو حصے ہیں:

پہلا حصہ: سینٹ کلیمنس کیمپ (St Clements Camp) جس میں ایک کھلے میدان میں کچھ خیمے ہیں اور ایک بڑی عمارت ہے۔

دوسرا حصہ: ایک بہت بڑی عمارت ہے جس کو ورڈالا بارکس (Verdala Barracks) کہتے ہیں۔ (ص: ۷۶)

نیز انھوں نے قید خانے کی جو تفصیل بیان کی ہے، اس کا جو حال بیان کیا ہے وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بیان کردہ حال کے ساتھ مطابقت بھی رکھتا ہے۔

② شیخ محمد عبدالرحمن الصباحی نے اپنی کتاب میں ایک ایڈورٹ (Advert) درج کیا ہے جس کے اندر ورڈالا بارکس (Verdala Barracks) انگریزی میں لکھا ہوا ہے، نیز اس کی ایک تصویر بھی ہے جو زیادہ صاف نہیں ہے؛ لیکن اس کے نیچے فردالہ لکھا ہوا ہے۔ (ص:۸۸،۸۹)

فردالہ ورڈالہ کا معرّب ہے۔

③ شیخ نے ایک ہندوستانی قیدی کی تصویر درج کی ہے جس کی سفید ڈاڑھی ہے اور تصویر کے نیچے یہ بات لکھی ہوئی ہے:

''الشیخ حسین محمود ، العالم الهندی الکبیر ، رئیس کلیة علیکره ، الذی رفض ان یفتی ضد الاتراک''.

یعنی یہ شیخ حسین محمود کی تصویر ہے جو بڑے ہندوستانی عالم ہے، علی گڑھ یونیورسٹی کے رئیس ہے، جنھوں نے ترکیوں کے خلاف فتویٰ دینے سے انکار کیا تھا۔

بظاہر یہ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کی طرف اشارہ ہے، باقی یہ تصویر صحیح ہے یا نہیں؟ واللہ اعلم بالصواب۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب نے اس کے متعلق صرف اتنا فرمایا کہ: اس زمانے میں کسی کی اجازت کے بغیر تصویر لینا بہت ہی مشکل تھا؛ اس لیے معلوم نہیں کہ انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ کی تصویر ان کی اجازت کے بغیر کیسے لی؟

بندے کے ذہن میں یہ توجیہ آتی ہے کہ شاید برطانوی حکومت نے حضرت شیخ الہندؒ اور دوسرے احباب کی تصویر لی ہو اور پھر شیخ محمد عبدالرحمن الصباحی نے ان سے تصویر کی کاپی لے لی ہو۔

شیخ محمد عبد الرحمن الصباحی اسی قید خانے میں قید تھے جہاں حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقا قید تھے۔

تاریخی مقامات اور قرائن کا اعتبار

جب میں نے ان تمام قرائن کا شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب کے سامنے تذکرہ کیا تو حضرت نے بھی ارشاد فرمایا کہ: بظاہر یہ فورٹ ورڈالا ہی وہ جگہ ہے جہاں پر ان حضرات کو قید میں رکھا گیا تھا، نیز حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ: تاریخی چیزوں میں ایسے قرائن کافی ہوا کرتے ہیں۔

بہرحال! یہ بات قریب از یقین ہے کہ فورٹ ورڈالا ہی وہ جگہ ہے جہاں پر ان حضرات کو قید میں رکھا گیا تھا۔

مریم البتول مسجد پاؤلا (Paola)

مالٹا میں ہماری آخری منزل ''مریم البتول مسجد'' تھی جہاں ہم نے ظہر کی نماز ادا کی۔

پورے ملک میں تقریباً بارہ مصلے (مسجدیں) ہیں؛ لیکن ان میں سب سے زیادہ بڑی اور مشہور مسجد ''مسجدِ مریم البتول'' ہے، لیبیا کے سابق صدر معمر القذافی نے ۱۹۷۸ء میں اس کی تعمیر کے لیے پیسے دیے تھے اور خود بھی مالٹا آئے تھے اور اس کی سنگِ بنیاد رکھی تھی اور پھر ۱۹۸۲ء میں اس مسجد کا افتتاح ہوا تھا۔

قانونی طور پر بھی اسی ایک مسجد کو ''مسجد'' کہا جاتا ہے اور ابھی بھی یہ لیبیا کے سفارت خانے کی نگرانی میں ہے۔

مسجد میں ہم امام محمد السعدی سے ملے جو اصل لبیا کے ہیں اور پچھلے چالیس سال سے یہاں مقیم ہیں، انھوں نے اپنے دفتر میں ہمارا استقبال کیا، پھر حضرت مفتی صاحب نے شیخ الہندؒ کا تعارف کرایا اور ہمارے سفر کے مقصد سے بھی ان کو باخبر کیا اور ان سے خصوصی طور پر یہ فرمایا کہ: حضرت شیخ الہندؒ بھی یہاں مقیم تھے اور انھوں نے یہاں قرآنِ کریم کا ترجمہ بھی لکھا تھا اور متعدد کتابوں کا درس بھی دیا تھا، مثلاً صحیح بخاری، جلالین شریف وغیرہ۔

امام محمد السعدی نے حضرت مفتی صاحب کو مالٹی زبان میں قرآنِ کریم کا ترجمہ پیش کیا جو کہ کسی غیر مسلم نے کیا تھا اور امام محمد السعدی اور دوسرے علما نے اس پر نظرِ ثانی بھی کی تھی۔

مالٹا کو الوداع

مسجد سے فارغ ہو کر ہم مالٹا انٹرنیشنل ایئر پورٹ پونے دو بجے پہنچے اور ہماری فلائٹ (امارات فلائٹ) ساڑھے تین بجے تھی۔

قبرص (Cyprus) جانے کی یہ امارات فلائٹ جو مالٹا آتی ہے تو دبئ سے براہِ راست نہیں آتی؛ بلکہ یہ قبرص میں تھوڑی دیر رک کر پھر آگے نکلتی ہے؛ اس لیے جن حضرات کو مالٹا جانا ہو ان کو فلائٹ سے نکلنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہیں، اسی وجہ سے ہم نے مفتی محمد تقی صاحب سے درخواست کی تھی کہ چوں کہ سائپرس اترنا ہی ہے تو واپسی میں ہم وہاں ایک دو دن کا قیام کرلیں۔

شیخ بدر اور نیویل صاحب جنھوں نے ہمارے پورے سفر کی ترتیب دی تھی وہ

بھی ائیر پورٹ تشریف لائے اور ہمیں الوداع کیا۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب کی شفقت اور میزبانی کا جذبہ

جب ہم مالٹا ائیر پورٹ پر تھے تو حضرت مفتی صاحب نے اصرار فرمایا کہ: ہم سب کو کھانا کھلائیں یا مشروب پلائیں؛ چنانچہ ہم نے ایک دکان سے تازہ مشروب لیا، پھر حضرت مفتی صاحب نے خود مجھے باصرار چالیس یورو (Euro) دیے اور فرمایا کہ: یہ ان کی طرف سے ہوگا۔

حضرت مفتی صاحب اصول کے بہت ہی پابند ہیں؛ چنانچہ اسفار میں ہمیشہ حضرت اصرار فرماتے ہیں کہ: اپنے ذاتی اسفار کا خرچہ خود ہی برداشت کریں گے۔

حضرت مفتی صاحب کی شفقتوں کا حال یہ ہے کہ: ابھی کچھ ہفتے پہلے ہمارے یہاں بلیک برن (Blackburn) تشریف لائے تھے تو ہمارے بچوں کو بیس بیس پاؤنڈ ہدیے میں دیے تھے۔

بہر حال! سفر و حضر میں حضرت مفتی صاحب کی سخاوت اور شفقتوں کا بار بار ہمیں تجربہ ہوا۔

مفتی صاحب نے ۸۰ / ممالک کا سفر فرمایا ہے

جب ہم ائیر پورٹ پر تھے تو بندے نے حضرت مفتی صاحب کو دنیا کے تمام ممالک کی فہرست دی اور حضرت سے درخواست کی کہ: میرے علم میں پچاس ایسے ممالک ہیں جہاں حضرت کے اسفار ہوئے ہیں جن پر میں نے اس فہرست میں نشان بھی کیا ہوا ہے، اب آپ اس فہرست کو دیکھ لیں اور جو میرے علم میں نہیں ہے اس پر بھی

نشان کر دیں؛ تا کہ ایک بات محفوظ ہو جائے کہ آپ کے کن کن ممالک کے اسفار ہوئے ہیں۔

چنانچہ حضرت نے فہرست دیکھی اور مزید تیس ممالک پر نشان لگا دیا۔

میں نے اپنے ایک مضمون میں حضرت کے جن جن ممالک کے اسفار ہوئے ہیں اس کی پوری فہرست تحریری شکل میں لکھ دی ہے جن کی تعداد کل اسّی (۸۰) ہیں اور اگر ری یونین (Reunion) اور ہانگ کانگ (Hong kong) کو الگ سے گنا جائے تو پھر یہ تعداد بیاسی (۸۲) ہو جائے گی۔

الحمدللہ! قبرص کے بعد بندے کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ حضرت کی معیت میں گریس (Greece) اور ہنگری (Hungary) کے بھی سفر ہوئے ہیں؛ لہٰذا کل ممالک کی تعداد آج تک ۸۲ یا ۸۴ ہو جائے گی۔

اسی سفر میں میں نے حضرت سے پوچھا تھا کہ: کبھی ہندوستان مقبوضہ کشمیر جانا ہوا ہے یا نہیں؟

حضرت نے فرمایا: نہیں۔

پھر حضرت نے ہمیں اپنی مشہور نظم ''اے وادیٔ کشمیر'' جو ۱۹۶۵ء میں آپ نے لکھی تھی ہمیں از خود سنائی۔

میں نے حضرت مفتی صاحب سے نیوزی لینڈ (New Zealand) کے متعلق پوچھا؛ چوں کہ نیوزی لینڈ میں ہمارا اسسرال بھی ہے اور ہمارے خسر مولانا خلیل احمد صاحب حضرت کے میزبان بھی رہے ہیں۔

چنانچہ! حضرت نے فرمایا کہ: نیوزی لینڈ بہت خوب صورت ملک ہے۔

قبرص (Cyprus) میں آمد

الحمد للہ! ہم لوگ سات بجے لارنیکا (Larnaca) انٹرنیشنل ائیر پورٹ پر پہنچے، وہاں عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد ہوٹل کی طرف ہم روانہ ہوئے، ائیر پورٹ شہر سے کوئی ڈھائی میل کے فاصلے پر ہے اور یہ قبرص کا سب سے بڑا ائیر پورٹ ہے۔

سائپرس یہ ایک جزیرہ ہے جو ترکی کے جنوب جانب میں، سریا اور لبنان کے مغرب جانب میں اور مصر کے شمال جانب میں واقع ہے۔

عربی میں اس جزیرہ کو ''قبرص'' کہتے ہیں اور انگریزی میں سائپرس کہتے ہیں، قبرص کو ''سین'' اور ''صاد'' دونوں کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

یہ پورے بحیرہ روم (Mediterranean) میں تیسرا سب سے بڑا جزیرہ ہے اور اس کی تاریخ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے سے بہت پہلے کی ہے، اس پر ہمیشہ دنیا کی بڑی بڑی حکومتوں کی نظر رہی ہے۔

راجح قول کے مطابق ستائیس یا اٹھائیس ہجری میں سیدنا حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانے میں مسلمانوں نے اس جزیرہ کو فتح کیا تھا؛ گویا کہ اسلام کی آمد یہاں ابتدائی زمانے میں ہو چکی تھی؛ لیکن باقاعدہ مستقل طور پر مسلمان یہاں اس وقت آباد ہوئے جب سلطنتِ عثمانیہ نے اس جزیرہ کو واپس فتح کیا اور سلطنتِ عثمانیہ کی حکومت یہاں ۱۵۷۱ء سے لے کر ۱۸۷۸ء تک؛ یعنی تین صدیوں تک رہی ہے۔

پھر ۱۸۷۸ء میں سلطنتِ عثمانیہ کو یہاں سے نکالا گیا اور انگریزوں نے اس پر

قبضہ کیا اور پھر واپس ۱۹۶۰ء میں یہ ملک انگریزوں سے آزاد ہوا۔

یہاں انگریزی زبان بھی رائج ہے اور جنوب کے حصے میں گریک (Greek) زبان اور ترکش زبان چلتی ہے اور اوپر کے حصے میں صرف ترکش زبان رائج ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ: برطانیہ نے جب سائپرس کو چھوڑا تھا تو اس وقت یہ معاہدہ کیا تھا کہ: ان کے یہاں فوجی چھاؤنی (Military Bases) ہوں گے؛ چناں چہ یہاں انگریزوں کی فوج کا قیام ہے اور عراق کی جنگ کے وقت یہیں سے بہت سی کارروائیاں ہوئی تھیں۔

بہر حال! شیخ محمد ابوالنور اور ان کے ساتھ ان کے معاون جناب احمد حسین صاحب جو اصل سیال کوٹ کے ہیں انھوں نے ائیر پورٹ پر ہمارا استقبال کیا۔

شیخ محمد ابوالنور یہ ہمارے عرب ساتھی ہے اور ان کے ساتھ ہمارا تعلق ہمارے برطانیہ کے حافظ محمد پٹیل صاحبؒ کے صاحب زادے حضرت مولانا سعید صاحب پٹیل کی وساطت سے ہوا تھا، یہ سائپرس کے اندر تبلیغی کام میں بہت حصہ لیتے ہیں۔

انھوں نے ہمیں بتایا کہ: شمال میں تقریباً ۹۵ فیصد لوگ مسلمان ہیں اور ان کی آبادی چار لاکھ سے زیادہ ہیں جن میں اکثریت ترکی کی ہیں اور جو نیچے کا حصہ؛ یعنی گریس کا حصہ ہے اس میں کچھ عرب، شام، لبنان، فلسطین کے لوگ ہیں اور کچھ ابھی ماضی قریب میں بھارت، پاکستان سے بھی یہاں آئے ہیں، جن کی تعداد تقریباً بیس، تیس ہزار ہوگی اور اب یہاں پر مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے؛ بالخصوص شام سے بہت سے مہاجرین یہاں تشریف لا رہے ہیں۔

یہ بات سن کر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب نے ارشاد فرمایا:

کانوا یأتون مجاهدین و الآن یأتون لاجئین.

یعنی پہلے یہ لوگ مجاہد بن کر آتے تھے اور اب یہ پناہ گزین بن کر آرہے ہیں۔

الحمد للہ! ہم لوگ سن ہال ہوٹل لارنیکا (Sun Hall Hotel Larnaca) آٹھ بجے پہنچے اور ہم نے وہاں مغرب کی نماز ادا کی۔

الحمد للہ! ہمارے سب ساتھی نکوسیا (Nicosia) میں رہتے ہیں اور خود شیخ ابو النور اور احمد حسین صاحب بھی نکوسیا کے ہی ہیں جو کہ یہاں کی راجدھانی ہے اور یہاں سے ایک گھنٹے کے فاصلے پر ہے؛ چنانچہ وہاں سے بھی کچھ ساتھی یہاں تشریف لائے اور وہیں سے کھانا بھی لے کر آئے تھے، ہم سب نے مل کر کھایا اور پھر آرام فرمایا۔

چوتھا دن: جمعرات، ۱۱/جولائی ۲۰۱۹ء

لارنیکا (Larnaca)

صبح بیدار ہونے کے بعد ہوٹل سے ہم نے لارنیکا اور دریا کے خوب صورت اور حسین مناظر دیکھے۔

لارنیکا یہ قبرص کے جنوبی حصے میں واقع ہے اور یہ پورے ملک میں نکوسیا (Nicosia) اور لموسول (Limassol) کے بعد تیسرا سب سے بڑا شہر ہے۔

اسی لارنیکا کے دریا سے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں شام سے راجح قول کے مطابق ۲۷ یا ۲۸ ہجری میں یہاں تشریف لائے تھے اور اس

ملک کو انھوں نے فتح کیا تھا۔

نیز مسلمانوں کا ایک دوسرا لشکر حضرت عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مصر سے یہاں آیا تھا اور سائپرس کے دوسرے حصے سے سائپرس میں داخل ہو کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ساتھ مل گیا تھا۔

حضرت امِ حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے مزار پر

پھر اس کے بعد ہم پونے گیارہ بجے ''حالا سلطان تکے(Hala Sultan Tekke)'' گئے، بتایا جاتا ہے کہ: حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا یہیں پر مدفون ہیں۔

''حالا سلطان'' کا مطلب ہوتا ہے سلطان کی خالہ؛ یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خالہ۔ام حرام آپ کی کنیت ہے، اصل نام ''رمیصاء'' ہے۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا ایک قول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خالہ ہوتی ہے، یا تو نسب کے اعتبار سے یا رضاعت کے اعتبار سے۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا یہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی بہن اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں، آپ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی جو ان بارہ صحابہ میں سے ہیں جو بیعتِ عقبۂ اولیٰ میں شریک ہوئے تھے۔

دونوں بہنیں ؛ یعنی حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت قریبی تعلق تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مکانات پر تشریف بھی لے جایا کرتے تھے۔

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر پر تشریف لے گئے اور ام حرام رضی اللہ عنہا

نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانا کھلایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر کے لیے وہیں لیٹ گئے تو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا آپ کے سر مبارک کو آرام پہنچانے لگی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا رہے تھے۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے مسکرانے کی وجہ پوچھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ: مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ میری امت میں سے کچھ مجاہدین اللہ تعالیٰ کے راستے میں دریا کا سفر کر رہے ہیں۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: اے اللہ کے رسول! آپ میرے لیے دعا فرما دیجیے کہ: میں بھی ان ہی مجاہدین میں سے ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: آپ بھی ان ہی میں سے ہیں۔

پھر واپس آپ کی آنکھ بند ہوگئی، پھر تھوڑی دیر کے بعد مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے پھر پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔

واپس حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے درخواست کی کہ: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیجیے کہ: میں بھی ان میں سے ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں! تم تو پہلے قافلہ میں سے ہوں گی۔ (بخاری:۲۷۸۸)

چنانچہ! اس کے کوئی بیس سال بعد حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے خلافت

کے زمانے میں یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی۔

یہ مسلمانوں کا سب سے پہلے دریائی غزوہ تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ۲۷ یا ۲۸ھ میں پیش آیا، مسلمانوں کے اس لشکر میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اور آپ کے شوہر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

مسلمان فوج جب سائپرس میں داخل ہوئی تو وہاں کے مقامی لوگوں کے ساتھ صلح کی شکل ہوگئی اور جنگ کی نوبت پیش نہیں آئی تو مسلمانوں کا قافلہ وہاں سے روانہ ہونے لگا، اسی درمیان حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا جانور سے گریں اور ان کی گردن ٹوٹ گئی اور آپ رضی اللہ عنہا شہید ہوگئیں اور اسی لارنیکا میں آپ رضی اللہ عنہا کو دفن کیا گیا اور پھر آپ رضی اللہ عنہا کی قبر کے اردگرد عمارت بھی بنائی گئی۔

امام ہشامؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی قبر قبرص میں ہے اور قبرص کے لوگ کہتے ہیں کہ: یہ ایک نیک خاتون کی قبر ہے۔ (یہ روایت معجم کبیر اور حلیۃ الاولیاء میں ہے)

حافظ شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ غیر مسلم لوگ بھی ان کی قبر کی زیارت کرتے ہیں۔

امام ابونعیمؒ معرفۃ الصحابہ میں فرماتے ہیں کہ: شام کے لوگ ان کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کرتے ہیں اور اس کو ایک نیک خاتون کی قبر سے یاد کرتے ہیں۔

اس حالا سلطان تکے میں مسجد بھی ہے اور قبرستان بھی ہے، ہم نے دیکھا کہ: بہت سے غیر مسلم بھی اس کی زیارت کے لیے آئے ہوئے تھے، اور یہ قدیم زمانے سے

معمول چلا آرہا ہے، جیسا کہ حافظ شمس الدین ذہبی نے لکھا ہے۔

حالا سلطان تکے یہ دریا سے تقریباً ایک دو کلومٹر کے فاصلہ پر ہے۔

اب تاریخی طور پر ہمیں یہ بات نہیں معلوم کہ: پہلے سے ان کی قبر یہاں ہے یا یہ کہ ان کی قبر کو بعد میں یہاں منتقل کیا گیا۔

بہرحال! سب سے پہلے ہم مسجد میں داخل ہوئے اور تحیۃ المسجد ادا کی، پھر ہم ان کے قبر کی طرف گئے جو مسجد ہی میں بائیں جانب ایک کمرہ میں ہے، جب ہم اس کمرے میں داخل ہوئے تو وہاں ایک عجیب سی نورانی کیفیت تھی، سب سے پہلے ہم نے وہاں سلام پیش کیا پھر حضرت مفتی صاحب نے قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا بھی کی۔

اس طرح قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا صحیح مسلم کی ایک حدیث رقم: ۹۷۴ سے ثابت ہے؛ لیکن ہمارے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے فتاوی محمودیہ میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ: اگر آدمی قبرستان میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو قبر سے ہٹ کر قبلہ کی طرف ہوجائے؛ تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو کہ یہ صاحبِ قبر سے مانگ رہے ہیں۔

بہرحال! یہاں پر ہم نے ایک اور عجیب بات دیکھی وہ یہ کہ: قبر کے اوپر ایک بہت بڑا پتھر ہے جس کے دو ستون بھی ہیں؛ لیکن ایک مقامی ساتھی نے بتایا کہ: کئی سال تک یہ پتھر بغیر کسی پلر کے اسی طرح قبر کے اوپر تھا؛ مگر صاحبِ قبر کی یہ کرامت تھی کہ پتھر نیچے نہیں گرتا تھا۔

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی قبر سے باہر آنے کے بعد پڑوس میں کچھ اور قبریں بھی تھیں جس میں ''عدیلہ حسین علی''۔ جو کہ حسین بن علی جو مکہ مکرمہ کا شریف تھا

اس کی ترکی اہلیہ ہے۔اس کی قبر بتائی جاتی ہے۔

ہمارے مولانا حنیف صاحب نے مفتی محمد تقی صاحب سے پوچھا کہ: جب آدمی قبرستان جائے اور قبر کی زیارت کرے تو کیا پڑھنا چاہیے؟

حضرت نے فرمایا: سورۂ یاسین، سورۂ ملک اور وقت نہ ہو تو تین مرتبہ سورۂ اخلاص اور سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہیے۔

احادیثِ شریفہ کی قرأت اور درسِ حدیث

ہم لوگ واپس مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت مفتی صاحب سے درخواست کی کہ: جزءِ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کو ہم پڑھ لیں اور اس کے بعد حضرت کا درس ہو۔

بندے نے سفر سے پہلے اس مختصر جز کو جمع کیا تھا جس میں حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی احادیث اور ان کے کچھ حالات جمع کیے تھے؛ چنانچہ ہم ساتھیوں نے اس جز کو پڑھا اور مولانا شاکر صاحب نے بھی اس میں سے کچھ پڑھا اور پھر حضرت مفتی محمد تقی صاحب نے مختصر درس دیا جو اس سفر نامے میں موجود ہے، درس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے دعا بھی کروائی۔

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی احادیث اسی مسجد میں پڑھنا جہاں پر وہ مدفون ہیں ہمارے لیے بہت ہی برکت اور سعادت کی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یہ ”حالا سلطان تکے“ جہاں یہ مسجد اور مزار ہے لارنیکا کے ائیر پورٹ سے صرف پانچ منٹ کے فاصلے پر ہے، جو حضرات سائپرس میں

ایک دو گھنٹے کے لیے رکتے ہوں ان کو ضرور اس جگہ کی زیارت کرنی چاہیے۔

ٹرودوس پہاڑی (Troodos Mountains)

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے مزار اور مسجد میں سوا گھنٹہ گزارنے کے بعد ہم لوگ بارہ بجے ٹرودوس ماؤنٹینس (ٹرودوس پہاڑ) کے لیے روانہ ہوئے۔

ٹرودوس یہ سائپرس میں سب سے بڑے پہاڑوں میں سے ہے جو جزیرہ کے بالکل بیچ میں ہے، اس کی بلندی ۱۹۵۲ ر میٹر پر ہے۔

سائپرس میں ان دنوں بہت ہی زیادہ گرمی ہے، تقریباً چالیس ڈگری ہے۔

سائپرس میں قسم قسم پھل بھی ہوتے ہیں؛ مثلاً: سیب، انگور، آم، کیلے، نارنجی، تربوز؛ لیکن حلومی (Halloumi) پنیر اور زیتون کے لیے یہ بہت مشہور ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے بھی ''البدایہ والنہایۃ'' میں یہاں کے پھل اور یہاں کے کانوں (معادن) کا تذکرہ کیا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج:۷، ص:۱۵۳)

بہر حال! ہم لوگ وہاں پونے دو بجے پہنچے اور ہم نے وہاں ظہر کی نماز ادا کی، ظہر کی نماز کے بعد کھانے سے پہلے ایک اچھی مجلس بھی ہوئی۔

دورانِ سفر تلاوت

ہمارا لارنیکا سے ترودوس کا سفر تقریباً سوا گھنٹے کا رہا ہوگا، اس پورے سفر کے دوران حضرت مفتی صاحب نے ایک سیکنڈ بھی ضائع نہیں کیا اور قرآنِ کریم کی تلاوت میں مشغول رہے۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب کی زندگی کے یادگار مواقع

ہمارے مولانا محمد حنیف دودھ والا نے حضرت مفتی محمد تقی صاحب سے ان کی زندگی کے یادگار مواقع کے بارے میں سوال کیا کہ: حضرت! آپ کی زندگی کے یادگار مواقع کون کون سے ہیں؟

حضرت مفتی صاحب نے اپنی زندگی کے یادگار مواقع کو مندرجۂ ذیل ترتیب سے بیان فرمائے:

① سفرِ عمرہ:

یہ میری زندگی کا سب سے پہلا یادگار موقع ہے، جب میں نے اپنے بھائی مولانا محمد ولی رازی صاحب کے ساتھ ۱۹۶۳ء میں عمرے کا سفر کیا تھا، اس سے پہلے میں نے ۱۹۵۱ء میں عمرے کا سفر کیا تھا؛ لیکن اس وقت زیادہ کچھ شعور نہیں تھا؛ چنانچہ ہمارا یہ سفر سمندری جہاز کے ذریعہ ہوا تھا جس میں سات دن جانے کے اور سات دن آنے کے لگے تھے، یہ میرا بہت ہی یادگار سفر تھا جس کو میں زندگی بھر نہیں بھول سکوں گا۔

اس عمرہ کے سفر نامے کو میں نے تحریر کیا تھا؛ لیکن واپسی پر کہیں گم ہوگیا اور جیسا کہ میں نے جہانِ دیدہ کے شروع میں لکھا ہے کہ: پھر میں کبھی اس کو نہیں لکھ سکا۔

البتہ مفتی صاحب نے ہمیں بعد میں بتایا کہ: ان کی خودنوشت سوانح حیات۔ جو ''یادیں'' کے نام سے چھپ رہی ہے۔ اس سفر کے کچھ حالات اور کچھ چیزیں اس میں ذکر کی گئی ہیں۔

② والد صاحب کا بوسہ:

زندگی کا دوسرا یادگار موقع وہ ہے جب میں نے اپنے والد صاحب مفتی محمد شفیع صاحب کے ساتھ ۱۹۷۵ء میں آپ کے انتقال کے ایک سال پہلے عمرے کا سفر کیا تھا، یہ آپؒ کا آخری سفر تھا؛ چنانچہ سعودی عرب سے مجھے اور مولانا یوسف بنوریؒ کو ختمِ نبوت کی تحریک کے لیے ساؤتھ افریقہ کا سفر کرنا تھا اور میرے والد صاحب کی طبیعت علیل تھی؛ اس لیے ان کو پاکستان جانا تھا تو اس موقع پر جب ہم جدا ہوئے تو میرے والد صاحب نے پیشانی پر بوسہ دیا تھا، اس بوسے کو میں اپنی زندگی میں کبھی نہیں بھول سکتا۔

③ حدود آرڈیننس (Ordinance) کے قوانین:

یہ میری زندگی کا تیسرا یادگار موقع ہے، جب میں ۱۹۷۹ء میں کاؤنسل آف اسلامک آئی ڈیولوجی (Council Of Islamic Ideology) کا ممبر تھا تو اس وقت حدود کے حوالے سے اسلامی قوانین قانون میں لائے گئے تھے؛ چوں کہ میرا بھی اس میں حصہ تھا؛ اس لیے مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی تھی۔

④ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا:

یہ میری زندگی کا چوتھا یادگار موقع ہے جب ملک کی اسمبلی (Assembly) نے ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا تھا، اس موقع پر میں نے ایک کتاب لکھی تھی ''قادیانی فتنہ اور ملتِ اسلامیہ کا موقف''، ایک ہی ہفتے میں یہ کتاب لکھی اور دوسرے ہفتے میں اس کو پرنٹ کیا گیا اور پھر اسمبلی کے ممبران کو دیا گیا، الحمدللہ! اس کی بنیاد پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا۔

⑤ تکملۃ فتح الملہم کی تکمیل:

یہ میری زندگی کا پانچواں یادگار موقع ہے جب میں نے ۱۹۹۴ء میں صحیح مسلم کی شرح ''تکملۂ فتح الملہم'' کی تکمیل کی تھی؛ چنانچہ اس موقع پر ایک دعوت بھی رکھی گئی تھی جس میں علمائے کرام تشریف لائے تھے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی ''فتح الباری'' کی تکمیل کے موقع پر دعوت کی تھی۔

⑥ قرآنِ کریم کا اردو میں ترجمہ۔

⑦ قرآنِ کریم کا انگریزی میں ترجمہ، جس کی تکمیل ۲۰۰۵ء میں ہوئی تھی۔

یہ میری زندگی کے سات یادگار مواقع ہیں۔

نکوسیا (Nicosia)

ہم ساڑھے تین بجے روانہ ہوئے اور سیدھے ہلٹن پارک (HiltonPark) ہوٹل نکوسیا پہنچے۔

نکوسیا (Nicosia) یہ پورے سائپرس کی راجدھانی ہے اور سب سے بڑا شہر ہے جو دو حصوں میں منقسم ہے؛ چنانچہ شہر کا شمالی حصہ ترکی کا کیپٹل ہے اور بقیہ سائپرس کا حصہ ہے۔

یہاں پر میوزیم، قلعہ اور مساجد بھی ہیں، اسی طرح بہت ساری تاریخی چیزیں بھی ہیں۔

عمریہ (Omeriye) مسجد نکوسیا میں بہت ہی اہم خطاب

مغرب کی نماز کے بعد عمریہ مسجد میں پروگرام ہو جو سائپرس کے جنوبی حصے میں

ہے۔ایک زمانے میں یہ مسجد کنیسہ تھا،جس کی تعمیر چودھویں صدی میں ہوئی تھی، پھر ۱۵۷۱ء کے بعد اس کو لالا مصطفیٰ پاشا نے مسجد میں بدل دیا تھا،آج بھی یہ مسجد ہی ہے۔

بہر حال! امام محمد جو سینگال (Senegal) سے ہے اور شیخ قاسم جو لیبیا سے ہے ان دونوں نے مسجد میں ہمارا استقبال کیا، پھر مغرب کی اذان ہوئی اور اذان کے چند منٹ کے بعد نماز شروع ہوئی جس کا فائدہ اٹھا کر حضرت مفتی صاحب نے مغرب سے قبل اذان کے بعد دو رکعت نماز ادا کی اور پھر مغرب کی نماز پڑھائی۔

جیسا کہ بندے نے اپنی متعدد تحریروں میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ: مغرب کی نماز میں اگر تاخیر ہو رہی ہو تو پھر دو رکعت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مغرب کی نماز کے بعد حضرت مفتی صاحب نے انگریزی میں خطاب فرمایا جس میں الحمد للہ! دوسو (۲۰۰) سے زائد لوگ تشریف لائے ہوئے تھے اور زیادہ تر لوگ بنگلا دیش اور ہمارے ملک کے ہی تھے۔

فتحِ قبرص اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا رونا

حضرت مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ: میں اس ملک کی عظمت کرتا ہوں؛ اس لیے کہ یہ یورپ کا سب سے پہلا وہ حصہ ہے جہاں پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام داخل ہوا تھا، پھر حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا واقعہ سنایا؛ بالخصوص حضرت ابوادرداء رضی اللہ عنہ کا وہ ملفوظ بھی سنایا کہ جس دن قبرص فتح ہوا اس دن حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ رو رہے تھے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ: وہ کیوں رو رہے ہیں؟

آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ لوگ ایک زمانے میں بہت طاقتور تھے؛ لیکن انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان پر مسلط کر دیا، اب میں اس لیے رو رہا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں لگ جائیں اور پھر واپس ان لوگوں کو ہم پر مسلط کر دیا جائے۔

پھر حضرت مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ: ہم لوگ اسی زمانے میں رہ رہے ہیں جس کا خوف حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو تھا۔

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے کچھ نصیحتیں فرمائی:

ہم لوگ دوسروں کی اصلاح کے سلسلے میں تو بہت فکر مند رہتے ہیں؛ لیکن اس بات کی فکر نہیں کرتے کہ ہماری اصلاح کیسے ہو؟

خود کی اصلاح کیسے ہو؟

پھر حضرت نے اپنی اصلاح کیسے کی جائے؟ اس کے متعلق کچھ تدابیر بتلائی کہ: کس طرح آدمی ان ممالک میں اپنے آپ کی اصلاح کرسکتا ہے؟

① ہر روز چاہے پندرہ منٹ ہی کیوں نہ ہو ایک وقت مختص کرلیا جائے، جس میں قرآنِ کریم کی تلاوت کے ساتھ ساتھ ریاض الصالحین جیسی کتاب آدمی خود اپنے گھر والوں کی موجودگی میں پڑھے اور اس کے بعد دعا بھی کرے؛ اس لیے کہ دعا سے آدمی کی زندگی میں انقلاب آسکتا ہے۔

② اچھے لوگوں کی صحبت میں آدمی رہے اور اس طرح کے پروگرامات طے ہو اور تبلیغ کے کام کی بھی مدد کی جائے۔

③ صبح وشام کے اذکار کا اہتمام ہو؛ بالخصوص حزب الاعظم، مناجات مقبول، حصن حصین میں سے ادعیۂ ماثورہ کا اہتمام ہو۔

آخر میں حضرت مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ: اب تو اسّی (۸۰) سال کی عمر ہو چکی ہے؛ اس لیے نہیں معلوم کہ آئندہ پھر ملاقات ہوگی یا نہیں، پھر خطاب کے اختتام پر دعا فرمائی۔

شیخ قاسم نے حضرت مفتی صاحب کے بیان کا اردو سے عربی میں ترجمہ کیا اور اس کا خلاصہ پیش کیا اور پھر حضرت مفتی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

تصنیف وتالیف کے سلسلے میں حضرت شیخ الاسلام کا معمول

دورانِ سفر بندے نے حضرت مفتی صاحب سے پوچھا کہ: تصنیف وتالیف کے وقت آپ کا کیا منہج رہتا ہے؟

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ: کتاب لکھنے سے پہلے میں استخارہ کرتا ہوں، پھر اس کے بعد صلاۃ الحاجۃ پڑھ کر دعا کرتا ہوں کہ: یا اللہ! اگر اس کتاب کی تالیف میں تیری رضا ہے تو اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچا اور اگر رضا نہیں ہے تو تو اس کو نیست و نابود فرمادے۔

پانچواں دن: جمعہ، ۱۲/جولائی ۲۰۱۹ء

قبرص کا شمالی ترکی حصہ

ہم اپنی ہوٹل نکوسیا سے سوا دس بجے روانہ ہوئے اور بارڈر پر پہنچے اور دس منٹ

میں شمالی قبرص میں پار ہو گئے۔

یہ قبرص کا شمالی حصہ ہے، جو ترکی حکومت کے ماتحت ہے، جب ہم اس حصے میں داخل ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ: ہر چیز ترکی رسم الخط میں اور ترکی زبان میں لکھی ہوئی تھی۔ یہاں پر جناب رجب طیب اردوگان نے بہت سی مساجد بھی تعمیر کروائی ہیں اور یہاں ایک اسلامک یونیورسٹی بھی ہے اور یہاں کے ۹۵ رفیصد لوگ مسلمان ہیں۔

حضرتی عمر ٹیکے (Hazrati Umar Tekke) یعنی حضرت عمر کا مزار

ہمارا یہاں شمالی سائپرس آنے کا مقصد حضرتی عمر ٹیکے کے نام سے ساحل پر ایک مزار ہے اس کی زیارت تھا، جو بارڈر سے تقریباً چالیس منٹ کے فاصلہ پر ہے، بتایا جاتا ہے کہ: یہاں حضرت عمر نامی ایک صحابی کا مزار ہے اور ان کے ساتھ ان کے کل سات ساتھی بھی تھے جن کا مزار بھی یہاں پر ہیں؛ لیکن یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور صحابی ہے اور ایسا بتایا جاتا ہے کہ: وہ اس جزیرہ کو فتح کرنے میں جنگ میں شریک تھے۔

یہاں پر ایک چھوٹی مسجد بھی ہے اور ایک نئی مسجد بھی زیرِ تعمیر ہے، اس مسجد میں ہم داخل ہوئے اور سلام پیش کیا۔

حضرت مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ: یہ حضرات شاید عبداللہ ابن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے قافلے میں شریک ہوئے ہوں گے، جو قبرص کے دوسرے حصے سے

داخل ہوا تھا اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ساتھ مل گیا تھا، ویسے یہ احتمال ہے؛ لیکن حضرت عبداللہ ابن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ ؛ چوں کہ مصر آئے تھے تو بظاہر وہ جزیرہ کے جنوبی حصے سے داخل ہوئے ہوں گے اور یہ جزیرہ کے شمال میں ہے۔

اور ''الاصابۃ'' اور دیگر کتبِ تراجم کو دیکھنے کے بعد کوئی ایسا عمر نامی صحابی نہیں ملا جن کے بارے میں تصریح ہو کہ وہ قبرص میں داخل ہوئے ہو۔

ایک صحابی عمر ابن سعد ابن مالک کا نام ''الاصابہ'' (ج:۴،ص:۴۸۶) پر ہے، جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض غزوات کی قیادت کے لیے مقرر کیا تھا؛ لیکن ان کے حالات میں کہیں پر بھی قبرص یا فتحِ قبرص یا قبرص میں داخل ہونے کا تذکرہ نہیں ملتا؛ اس لیے یہ احتمال تو ضرور ہے کہ یہ کسی صحابی کا مزار ہو؛ لیکن بظاہر یہ عمر نامی شخصیت کسی بزرگ کا مزار معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے کہ اگر کسی صحابی کا مزار ہوتا تو ضرور اس کا تذکرہ کتبِ تاریخ اور کتبِ رجال میں ملتا، واللہ اعلم۔

لارنیکا (Larnaca) کی جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ

اس مزار کی زیارت کر کے ہم لوگ بارہ بجے روانہ ہوئے اور بارہ چالیس کو بارڈر پار کر کے لارنیکا کی جامع مسجد میں سوا ایک بجے پہنچے۔

لارنیکا شہر میں مسلمانوں کی آبادی چھوٹی ہے، تقریباً تین سو کے قریب لوگ یہاں جمعہ کی نماز میں شریک ہوتے ہیں، اس مسجد کی تعمیر سولہویں صدی میں ہوئی تھی اور شاید یہ پہلی مسجد معلوم ہوتی ہے جس کو عثمانی سلطنت نے تعمیر کی تھی۔

جمعہ کا خطبہ حضرت مفتی صاحب نے دیا جس میں آپ نے تقویٰ کے سلسلے

میں کچھ باتیں ارشاد فرمائی:

سب سے پہلی بات یہ کہ: آدمی کو حلال اور حرام کی تمیز ہونی چاہیے اور اس کے متعلق علم بھی حاصل کرنا چاہیے۔

دوسری بات یہ کہ: ہر روز ایک وقت طے کرلے اور اس میں قرآن اور حدیث کی کوئی کتاب مثلاً ''الادب المفرد'' یا ''ریاض الصالحین'' یا ان جیسی کتابوں کو پڑھے اور اپنے گھر والوں کو بھی سنائیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ: اے اللہ! ہمیں اسلامی طریقے کے مطابق زندگی گزارنے توفیق عطا فرما۔

پھر آخر میں حضرت یونس علیہ السلام کی وہ دعا جو انھوں نے مچھلی کے پیٹ میں مانگی تھی ''لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين'' اس کی تلقین کی۔

اور ارشاد فرمایا کہ: اس آیتِ کریمہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو گناہ اور ماحول کی تاریکیوں سے نکال سکتے ہیں؛ بس شرط یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں جس طرح کہ حضرت یونس علیہ السلام متوجہ ہو چکے تھے۔

جمعہ کی نماز کے بعد ایک مقامی ریسٹورنٹ میں مچھلی وغیرہ کھائی؛ اس لیے کہ اس علاقے میں مسلمانوں کی آبادی کم ہیں؛ اس لیے حلال ریسٹورنٹ ملنا مشکل ہے۔

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے آرام فرمایا اور ہم لوگوں نے کچھ خریداری کی اور پھر پونے چھ بجے ہم لوگ ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں پر حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا شاکر کو الوداع کیا۔

ائیرپورٹ پر ہمارے ساتھی شیخ محمد ابوالنور اور جناب احمد حسین صاحب بھی تشریف لائے تھے، انھوں نے پچھلے دو دن ہماری بہت خدمت کی، اللہ تعالیٰ ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

مالٹا کی طرح سائپرس بھی ایک ایسی جگہ ہے جہاں پر سیاحت کے لیے بہت لوگ آتے ہیں اور برطانیہ سے بالخصوص بہت سی سستی فلائٹیں جاتی ہیں تو جو حضرات ان ممالک کا سفر کرنا چاہے تو وہ ضرور کریں؛ لیکن اس نیت کے ساتھ کریں کہ وہاں کی اسلامی تاریخ اور تاریخی چیزوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں گے اور تاریخ کے سلسلے میں اپنے علم میں اضافہ کریں گے۔

بہرحال! مجموعی طور پر مسلمانوں کی وہاں دینی حالت مالٹا کے مقابلے میں زیادہ اچھی معلوم ہوئی اور دین کی محنت بھی الحمدللہ! کافی اچھی ہورہی ہے؛ لیکن اس کے باوجود دونوں ممالک کو دینی امداد کی ضرورت ہے، اللہ رب العزت مسلمانوں کو متوجہ فرمائے، آمین۔

❁❁❁

مالٹا اور قبرص کا سفر اور وہاں کے سبق آموز حالات

از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

نائب رئیس الجامعہ حضرت مولانا محمد مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم گذشتہ دنوں مالٹا اور قبرص کے سفر پر تشریف لے گئے تھے، وطن واپسی پر ۱۰/ذی القعدہ ۱۴۴۰ھ (۱۴ جولائی ۲۰۱۹ء) اتوار کی اصلاحی مجلس میں حضرت والا مدظلہم نے وہاں کے عبرت آمیز حالات سنائے اور اس ضمن میں حاضرین کے سامنے زریں ہدایات بیان فرمائیں، یقیناً یہ ارشادات سب کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

(ماہنامہ البلاغ کے شکریہ کے ساتھ اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد خاتم النبیین و إمام المرسلین و قائد الغر المحجلین و علی اٰلہ و أصحابہ أجمعین ، أما بعد !

عید کے بعد سے مجھے مسلسل سفر پیش آتے رہے ، ان کی وجہ سے اتوار کی یہ مجلس بہت عرصہ کے بعد آج منعقد ہو رہی ہے ، جس میں آپ حضرات سے ملنے کا موقع ملا ہے ، کئی اتوار اس مجلس کا ناغہ رہا جس کا سبب باہر کے سفر رہے جو مختلف ممالک میں ہوئے ، ہر سفر میں مختلف ملکوں میں کچھ نہ کچھ خدمت کی توفیق اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمائی ؛ لیکن یہ آخری سفر جس سے میں کل ہی واپس آیا ہوں ، اس کے بارے میں پہلے کچھ احوال عرض کر دوں جو ہم سب کے لیے سبق آموز ہیں ۔

یہ سفر جس سے میں کل ہی واپس آیا ہوں ، پہلے تو انگلستان کا سفر تھا اور وہاں ختمِ نبوت کے سلسلہ میں کچھ کام کرنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی ، اس کے بعد دو اور ملکوں میں جانا ہوا : ایک مالٹا میں اور ایک قبرص میں ۔

مالٹا اور قبرص جانے کی ایک خاص وجہ

دونوں جگہ جانے کی ایک خاص وجہ تھی ، یوں تو مسلمان الحمد للہ ! دنیا کے ہر کونے میں آباد ہیں ، غیر مسلم ملکوں میں بھی رفتہ رفتہ ان کی آبادی بڑھتی جا رہی ہے ، مالٹا میں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد ہے ، وہاں ان کے کچھ مسائل ہیں ، ان کے لیے بھی جانا کچھ مفید معلوم ہوا ؛ لیکن ہمارے لیے ایک بہت بڑی دل کشی اور دل چسپی کا اصل

سبب یہ تھا کہ مالٹا وہ جزیرہ ہے جس میں ہمارے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ اوران کے شاگردِ رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ اور مولانا عزیرگل صاحبؒ تین سال تک انگریز کی قید میں رہے۔

مالٹا کا جزیرہ

مالٹا ایک جزیرہ ہے جو اٹلی کے قریب واقع ہے، اس زمانے میں اس پر انگریزوں کی حکومت تھی جیسے انڈیا پر حکومت انھی کی تھی اور جنگِ عظیم کے دوران ان کے جو مخالفین تھے ان کو قید کرنے کے لیے اس جزیرے کا انتخاب اس لیے کیا گیا تھا کہ اس سے کوئی اور ملک ملتا نہیں، یہ بس ایک جزیرہ ہے، تو وہاں پر انھوں نے اپنے قیدیوں کے کیمپ قائم کرر کھے تھے، جہاں دنیا جہاں کے قیدی رہتے تھے۔

تحریکِ ریشمی رومال اور شیخ الہندؒ کی گرفتاری

شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ - اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے - دارالعلوم دیو بند کے شیخ الحدیث بھی تھے، دارالعلوم کے پہلے طالبِ علم بھی تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم کے ساتھ ساتھ اپنے ذکر وفکر اور تعلق کا بڑا وافر حصہ انھیں عطا فرمایا تھا، جذبۂ جہاد سے بھی نوازا تھا، انگریزوں کی حکومت تھی تو انگریزوں سے نجات کے لیے اور ہندوستان کی آزادی کے لیے حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ نے اس دارالعلوم کی بوریوں پر بیٹھ کر ایک تحریک چلائی تھی جو ''ریشمی رومال'' کے نام سے مشہور ہے۔

اور عجیب طریقے سے تین ملکوں کو ایک ساتھ جوڑا تھا: افغانستان، ترکی اور

پاکستان کے آزاد قبائل کو ساتھ ملایا تھا، اس تحریک کے ذریعہ پروگرام یہ تھا کہ ترکی کی مدد سے ہندوستان کو انگریز سے آزاد کرایا جائے گا۔ اس سلسلے میں حضرتِ والا حج کے لیے تشریف لے گئے تھے اور حج کے لیے جاتے ہوئے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہاں ترکی کے انور کمال پاشا، جو اس وقت وہاں کے بڑے جرنیل تھے، ان سے ملاقات بھی ہوگی؛ لیکن قبل اس کے کہ اس کی نوبت آتی حضرت کی تحریک کا راز کھل گیا اور انگریز نے ان کو مکہ مکرمہ سے گرفتار کرلیا، وہاں پر کچھ دن حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے آپ کو چھپا کر بھی رکھا اور اس طرح ان کو نبی ﷺ کی یہ سنت بھی حاصل ہوئی، جس طرح حضور ﷺ کئی دن غارِ ثور میں پوشیدہ رہے اسی طرح شیخ الہندؒ بھی پوشیدہ رہے؛ بالآخر سامنے آئے اور پھر گرفتار ہوئے۔

گرفتاری کے وقت شیخ الہندؒ کا تاریخی جملہ

گرفتاری کے وقت ان کا یہ مقولہ بہت مشہور ہے، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی ''اسیرِ مالٹا'' کے نام سے جو کتاب ہے اس میں وہ جملہ بھی نقل کیا ہے، میں نے اپنے والد ماجد صاحبؒ سے بارہا سنا، انھوں نے فرمایا کہ:

الحمدللہ! بمصیبت گرفتارم نہ بمعصیت۔

کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایک مصیبت کی وجہ سے گرفتار ہوں، معصیت اور گناہ کی وجہ سے گرفتار نہیں ہوں، یہ جملہ انھوں نے ارشاد فرمایا، انہیں پہلے مصر منتقل کیا گیا، وہاں کچھ عرصہ قید میں رہے، اس کے بعد مالٹا منتقل کردیے گئے اور مالٹا میں تین سال رہے، ان تین سالوں کی داستان بڑی عجیب ہے جو حضرت مولانا سید حسین احمد

صاحب مدنیؒ نے سفرنامہ ''اسیر مالٹا'' کے نام سے اپنی کتاب میں ذکر کی ہے؛ لیکن اس اسیری اور قید و بند کے زمانے میں ہی حضرت شیخ الہندؒ نے اپنا قرآنِ کریم کا ترجمہ پورا کیا، ترجمہ حضرت شیخ الہند بہت مشہور ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے بعد یہ پہلا بامحاورہ ترجمہ تھا جو شیخ الہندؒ نے کیا اور اس کا بیشتر حصہ اس قید کے زمانے میں لکھا۔

حضرت مدنیؒ نے بھی حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں اپنی تمام توانائیاں صرف کیں، حضرت مولانا عزیر گل صاحبؒ اس زمانے میں ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے، یہی وہ جگہ ہے جہاں یہ بزرگ دین کی خاطر قید میں رہے، تو خواہش تھی کہ اس جگہ کو بھی جا کر دیکھیں اور جو واقعات حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے بیان فرمائے ان کا بھی کچھ تصور کریں۔

بہرحال! جب وہاں پہنچے تو وہ کھلا میدان سا تھا، اب وہاں ایک اسکول قائم ہے؛ لیکن بہرحال جو تفصیلات حضرت نے سفرنامے میں بیان کی ہیں ان کے قرائن کے لحاظ سے یہ وہی جگہ تھی جہاں پر ان کو قید رکھا گیا تھا۔

مالٹا کے سفر سے حاصل ہونے والے اسباق

اِس سفر میں جو اسباق حاصل ہوئے وہ بیان کرنا چاہتا ہوں:

① ایک تو یہ کہ جب وہاں پر لوگوں کو میرے آنے کا علم ہوا تو انھوں نے میرے بیانات بھی رکھے، جن مسلمانوں سے خطاب کا موقع ملا ان میں کوئی عرب تھے، کوئی افریقی، کچھ لیبیا کے؛ لہٰذا کوئی اور ایسی زبان نہیں تھی جس میں ان سے بات کی جاسکے، اس واسطے انگریزی میں میرا ان سے خطاب ہوا۔

مسجد بنانے کی اجازت

اسی دوران اللہ تعالیٰ نے وہاں یہ انتظام فرمایا کہ وہاں کے وزیرِ اعظم جنھوں نے حال ہی میں کچھ عرصے پہلے اسلام قبول کیا ہے، ان کو جب میرے آنے کا پتہ چلا تو انھوں نے وہاں کے سابق صدر سے میری ملاقات کا اہتمام کیا، سابق صدر ایک خاتون ہے، جو میرے پاس ہی میرے ہوٹل میں ملنے کے لیے آئیں اور ان سے کچھ بات کرنے کا موقع ملا، مالٹا کے علاقے میں اب تک کوئی باقاعدہ مسجد نہیں ہے، لوگوں نے مصلّے بنا رکھے ہیں، دور دور فاصلوں سے نمازوں کے لیے جگہیں بنائی ہیں، اب انہیں ایک ہال ملا ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت نے یہ جگہ عاریۃً دی ہے، باقاعدہ مسجد کی اب بھی اجازت نہیں ہے، اسی ہال میں میرا خطاب ہوا تھا، تو میں نے ان خاتون سے درخواست کی کہ: یہاں مسلمان بڑی تعداد میں آباد ہیں ان کو کم از کم مسجد بنانے کی اجازت دی جائے اور ان کے لیے مسجد کا انتظام کیا جائے، جس میں وہ اپنے پانچ وقت کی نماز پڑھ سکیں اور جمعہ پڑھ سکیں، انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اور امید ہے کہ اب راستہ کھل جائے گا۔

لیکن اس میں یہ عبرت کا سامان ہے کہ وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور وہاں انھیں کوئی دین سکھانے والا نہیں، دین پڑھانے والا نہیں، اور جن کے دل میں کچھ درد ہے وہ مختلف جگہوں پر جا کر کبھی آن لائن کبھی کسی اور طرح قرآنِ کریم پڑھتے یا سیکھتے ہیں، باقاعدہ کوئی مکتب بھی نہیں ہے جس میں بچوں کو پڑھایا جاسکے، وہاں کے لوگوں سے بات ہوئی اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ جہاں جہاں مصلّے بنے ہوئے ہیں

وہاں وہاں مکتب قائم کیے جائیں؛ ورنہ جو نئی نسلیں پیدا ہورہی ہیں ان کے بہت زیادہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے، عبرت کی بات یہ ہے کہ وہاں مسجدیں نہ ہونے کے باوجود جولوگ مسلمان کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں وہ بیچارے بڑی صعوبتوں کے ساتھ، بڑی قربانیوں کے ساتھ اپنے دین پر قائم ہیں اور کوشش کررہے ہیں۔

نیک ماحول کی قدر کیجیے

مجھے عبرت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے ملک میں ہر قسم کی دین کی آزادی عطا فرما رکھی ہے، ہمارے اوپر نماز پڑھنے پر کوئی پابندی نہیں، مساجد قائم کرنے پر کوئی پابندی نہیں، الحمد للہ! مدارس بھی موجود ہیں، علما بھی موجود ہیں، مشکلات کے باوجود وہاں کے مسلمانوں میں دین کا جذبہ اور دین کا شوق بہت ہے کہ میلوں کا سفر کرکے کہیں جاکر انھیں جماعت کی نماز ملتی ہے، جب کہ یہاں پر اللہ کے فضل سے مساجد کھلی ہیں، جب دل چاہے مسجد میں چلے جائیں؛ لیکن اس کے باوجود یہاں پر مسجد میں باجماعت نماز میں کوتاہی ہوتی ہے، تو آدمی کو سوچنا چاہیے کہ جو نعمتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا کر رکھی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں استعمال کریں اور ان مسلمانوں سے عبرت حاصل کریں کہ جن کے پاس یہ وسائل میسر نہیں ہیں۔

دوسری بات میں نے اپنے والد ماجد مفتی محمد شفیع قدس اللہ تعالیٰ سرہ ۔جو اس دارالعلوم کے بانی تھے۔ سے بارہا یہ سنا کہ حضرت والد صاحب جب دارالعلوم دیوبند کے طالبِ علم تھے تو ان کا معمول تھا کہ جب عصر کے بعد بچوں کے کھیلنے کا وقت ہوتا تھا تو حضرت والد ماجد صاحب کھیل کود میں یا کسی تفریح میں جانے کے بجائے حضرت

شیخ الہندؒ کی مجلس میں جا کر بیٹھ جایا کرتے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ کا یہ معمول تھا کہ وہ عصر کے بعد دار العلوم کے اندر ایک درخت کے نیچے بیٹھ جایا کرتے تھے اور طلبہ، اساتذہ یا جو لوگ اس مجلس میں آنا چاہتے تھے وہ آجاتے تھے، حضرت نے کبھی کوئی بات ارشاد فرمادی، کبھی کوئی بات ارشاد فرمادی۔

مسلمانوں کے زوال کے اسباب

اس مجلس کی بہت ساری باتیں والد صاحب سنایا کرتے تھے تو ایک مرتبہ فرمایا کہ: جب شیخ الہندؒ مالٹا سے واپس تشریف لے آئے تو دار العلوم میں اسی درخت کے نیچے درس فرمارہے تھے تو اس وقت ایک بات فرمائی کہ: ہمیں مالٹا کی قید کی تنہائیوں میں بہت غور کرنے کے بعد یہ پتہ چلا کہ مسلمانوں کے زوال کے دو اسباب ہیں۔

اب آپ اندازہ فرمائیں کہ شیخ الہند ہیں ! ساری زندگی قرآن وحدیث پڑھانے میں گزری ہے، اللہ کے راستے میں انھوں نے کیا کیا قربانیاں دی ہیں اور کتنی مشقتیں گزاری ہیں اور سرد و گرم چکھے ہیں، ہر طرح کے حالات کا مشاہدہ کیا ہے، اس کے بعد فرمارہے ہیں کہ: ہم نے مالٹا کی قید کی تنہائیوں میں غور کیا تو مسلمانوں کے زوال کے دو سبب نظر آئے۔

پہلا سبب قرآن سے دوری

ایک یہ کہ ہماری امت نے قرآن کو چھوڑ دیا، قرآنِ کریم کو چھوڑنے کا معنی یہ ہے کہ اس کی تلاوت چھوڑ دی، جیسی تلاوت کرنی چاہیے تھی ویسی نہیں کی، اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش چھوڑ دی اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیا، یہ ہے قرآنِ مجید کو

چھوڑنے کا معنی، سب سے پہلی سیڑھی قرآنِ کریم کے سلسلہ میں اس کی تلاوت ہے، اگرچہ اصل مقصود تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں جو احکام وتعلیمات ہیں ان پر عمل کیا جائے۔

قرآن کی تلاوت بذاتِ خود مقصود ہے

یہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نسخہ بھیجا ہے کہ اس کی صرف تلاوت بھی بذاتِ خود ایک عظیم سعادت ہے اور حدیث میں فرمایا گیا کہ: قرآنِ کریم کی تلاوت کے دوران ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریح فرمائی کہ: میں یہ نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرم ہے؛ بلکہ ''الف'' الگ حرف ہے، ''لام'' الگ حرف ہے، ''م'' الگ حرف ہے تو تیس نیکیاں حرف ''الم'' پڑھنے سے حاصل ہوجاتی ہے۔

طبیب جو نسخہ دیتا ہے اس کو پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا؛ بلکہ دوا لوگے تو فائدہ ہوگا، قرآن کے احکام پر عمل کرنا، اس کو سمجھنا اپنی جگہ ہے ہی مقصود؛ لیکن اس کے ساتھ اس کی تلاوت بذاتِ خود مقصود ہے۔

تلاوت مسلمان معاشرے کا امتیاز رہا ہے

اور یہ مسلمانوں کے معاشرے کا ایک امتیاز رہا ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہوتا تھا جو روزانہ قرآنِ کریم کی کچھ تلاوت کیے بغیر سارا دن گزار دے، عام طور پر فجر کے بعد گھر گھر سے قرآنِ کریم کی تلاوت کی آوازیں آیا کرتی تھیں، تو یہ مسلمان معاشرے کا ایک بہت بڑا امتیاز تھا، مسلمانوں کی بستی میں آدمی جاتا تھا تو پتہ چلتا تھا کہ یہاں کا ہر آدمی قرآنِ کریم کی نعمتوں سے بہرہ ور ہے۔

تو حضرت فرماتے ہیں کہ: لوگوں نے قرآن کو چھوڑ دیا اور روزانہ کی یہ کچھ نہ

کچھ تلاوت مسلمانوں کی اکثریت نے چھوڑ دی اور چھوڑنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ پڑھنا سیکھا ہی نہیں ہے کہ کس طرح قرآن پڑھا جاتا ہے، بڑے بڑے وزیر بن گئے، امیر بن گئے، حکمران بن گئے، قرآنِ کریم سرے سے صحیح پڑھنا آتا ہی نہیں تو تلاوت کیا کریں گے۔

ایک بہت بڑی غلط فہمی

اور یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی پھیلائی گئی کہ قرآن تو اس لیے ہے کہ اس کے معنی سمجھے جائیں اور ان پر عمل کیا جائے، صرف الفاظ پڑھنے سے کیا فائدہ؟ لیکن جیسا میں نے عرض کیا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میں یہ نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے؛ بلکہ ''الف'' الگ حرف ہے، ''لام'' الگ حرف ہے، ''م'' الگ حرف ہے۔ اور جس شخص کو تلاوت کی عادت نہیں یا تلاوت نہیں کی جاتی تو وہ آگے جا کے عمل کیا کرے گا؟ یہ تلاوت تو ہے قرآنِ کریم کی طرف جانے کی پہلی سیڑھی۔

تو حضرت شیخ الہندؒ (اللہ ان کے درجات بلند فرمائے) نے فرمایا کہ: یہ قرآن کو چھوڑنا، تلاوت کو چھوڑنا، اس کے فہم کو، سمجھ کو چھوڑنا، اس پر عمل کو چھوڑنا یہ ایک بنیادی سبب ہے مسلمانوں کے زوال اور انحطاط کا؛ لہٰذا حضرتؒ نے فرمایا کہ: میں اپنی باقی زندگی اس کام میں خرچ کروں گا (ان شاء اللہ تعالیٰ) کہ قرآنِ کریم کی تعلیم کو عام کیا جائے؛ چناں چہ حضرت والا نے پورے ہندوستان میں مکاتب کا ایک سلسلہ شروع کیا اور بہت مکاتب قائم کیے؛ تاکہ ہر شخص قرآن کو سیکھ سکے۔

اب ہم ذرا اس لحاظ سے اپنے گریبان میں دیکھیں کہ مسلمانوں کے زوال کا،

ایک ریاست کا نہیں، ایک ملک کا نہیں؛ بلکہ پورے عالمِ اسلام میں زوال کی یہ صورتِ حال ہے جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ نوبت کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی؟ ایک وقت تھا جس میں اسلامی ریاست کا، اسلامی حکومت کا اتنا بڑا تسلط تھا کہ اسلامی حکومت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا؛ یعنی پورا عالمِ اسلام انڈونیشیا سے مراکش تک یہ پورا سلسلہ تھا اور اس کے اندر خلافتِ عثمانیہ کا ایک خلیفہ ہوتا تھا اور وہ سب لوگ اس کے زیرِ نگیں کام کرتے تھے، اس میں قرآنِ کریم کی تعلیم ہوتی تھی، اس میں احادیث کی تعلیم ہوتی تھی، اس میں فقہ کی تعلیم ہوتی تھی، اس میں دیگر علوم وفنون کی بھی تعلیم ہوتی تھی اور بڑے بڑے علما اور سائنس دان پیدا ہوئے؛ لیکن اپنے ذہن کے اعتبار سے بھی، اپنی فکر کے اعتبار سے بھی، اپنی سوچ کے اعتبار سے بھی وہ مسلمان ہوتے تھے، اب آپ دیکھ رہے ہیں کہ صورتِ حال کیا ہو رہی ہے؟ بظاہر انگریزوں کی غلامی سے نجات مل گئی؛ لیکن ذہن ابھی تک غلام ہے، سوچ ابھی تک غلام ہے، انھی کا طرز، انھی کی معاشرت اور انھی کی تہذیب کو اپنے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھتے ہیں، تو سبق یہ ہے کہ زوال کا سبب قرآن کو چھوڑنا ہے۔

قرآن اللہ کا پیغام ہے اس کو سمجھو

جو لوگ تلاوت کرتے بھی ہیں تو ذرا سوچیں کہ کتنے ایسے ہیں جنھوں نے اسے ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ پڑھا، بھائی قرآنِ کریم ایک پیغام اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے تو کم از کم ہم اس کو سمجھیں تو سہی کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ اگر آپ کے پاس کسی وزیر کا، دوست کا، محبوب کا، کسی اور زبان میں خط آتا ہے، جس کو آپ نہیں جانتے تو کیا آپ اس

خط کو اٹھا کر طاق میں رکھ دیں گے کہ اس زبان کو میں نہیں جانتا جب کہ آپ اس شخص کو جانتے ہیں کہ میرا دوست ہے، میرا محبوب ہے، میرا چاہنے والا ہے تو کیا اس خط کو آپ اٹھا کر رکھ دیں گے یا آپ بے چین ہوں گے کہ کسی نہ کسی طریقے سے میں اس کو سمجھ لوں، کسی سے پڑھوا کر، کسی سے ترجمہ کرا کر کہ اس میں میرے لیے کیا پیغام بھیجا ہے؟

لیکن قرآنِ کریم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام ہے ساری امت کے لیے، جس میں ہدایت کی ساری تعلیمات موجود ہیں اور وہ ساری زندگی طاق میں رکھا رہے اور اس کو کھول کر ترجمہ، اس کی تفسیر کی سعادت کسی کو حاصل نہ ہو تو کتنے بڑے وبال کی بات ہے تو سبق ملتا ہے کہ قرآن کی تلاوت کے ساتھ بندہ کچھ وقت اس کے ترجمہ اور تفسیر سمجھنے کے لیے نکالے کہ کیا پیغام دیا ہے اللہ نے اور پھر اس کے احکام پر عمل کرے۔

دوسرا سبب: مسلمانوں کے درمیان فرقہ بندی ہے

کہ چھوٹے چھوٹے فرقہ بنے ہوئے ہیں، فرقہ واریت کا بازار گرم ہے، ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ میں ٹھیک ہوں، دوسرا غلط ہے؛ لہذا میں اس کے ساتھ بات نہیں کرسکتا، نہ اس کے پاس بیٹھ سکتا ہوں، نہ میل جول رکھ سکتا ہوں، مسلک کے اختلاف ہیں۔ مسلک کے اختلاف کی بھی ایک حد ہے؛ لیکن ہم نے اپنا سارا زور اور ساری طاقتیں لگائی ہوئی ہیں کہ دوسرے کے مسلک کو باطل قرار دیا جائے اور کبھی اس بات کا خیال نہیں آتا کہ امت کن مشترک مسائل کا سامنا کررہی ہے، کفر والحاد کا طوفان ہے جو ساری دنیا کے اندر پھیلا ہوا ہے، مسلمان جہاں جہاں آباد ہیں ایسی جہالت کا شکار ہیں اوران پر غیر اسلامی قوتیں مسلط ہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی آپس میں بیٹھنے کو

تیارنہیں، یہ فرقہ بندی، یہ فرقہ واریت، یہ گروہ بندی ہے۔

اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ پہلے تو صرف مسلک کا اختلاف ہوتا تھا اب تو مسلک کے اندر تفریق در تفریق در تفریق ہے، یہ ایک جماعت ہے، وہ دوسری جماعت ہے، دونوں ایک مسلک کے؛ لیکن یہ دونوں آپس میں مل بیٹھنے کو تیار نہیں ہیں، یہ اس کو برا کہتا ہے، وہ اس کو برا کہتا ہے، ہمارے اس تفرقے سے دشمن نے فائدہ اٹھایا ہے اور اس کے نتیجے میں مسلمان زوال وانحطاط کا شکار ہوگئے ہیں۔

مسلمانوں کوشکست ہمیشہ آپس کے اختلاف کی وجہ سے ہوئی

جب بھی مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پھیلا ہے تو اس کا فائدہ ہمیشہ دشمن نے اٹھایا ہے، دشمن نے کبھی مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں شکست نہیں دی ہے؛ اگر دی ہے تو ہمارے اندر تفرقہ پیدا کر کے، ہمارے اندر غدار پیدا کر کے، بے وفا لوگ پیدا کر کے، تقسیم کر کے دی ہے، میں نے جو آپ سے عرض کیا کہ خلافتِ عثمانیہ ایک بہت بڑے رقبے پر حکومت کرتی تھی، وہاں پر یہ مسئلہ پیدا کیا کہ تم عرب ہو، تم ترکوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے، تم ترک ہو، تم نے عربی زبان کیوں اختیار کی ہے؟ اس طرح کر کے امت کو پارہ پارہ کر دیا تو امت تقسیم ہوگئی۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: اب میں کوشش کروں گا کہ یہ تفرقہ ختم ہو، کم سے کم ہو، حضرتؒ نے اپنی باقی زندگی میں کوشش بھی یہی کی ہے؛ لیکن بہر حال وہ حضرت کی آخری عمر تھی اور حضرت دنیا سے تشریف لے گئے، اللہ ان کے درجات بلند فرمائیں، آمین۔

اختلافات کی حدود

لیکن ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ ہر اختلاف کی ایک حد ہوتی ہے، ایک اختلاف ہوتا ہے کفر و اسلام کا، وہاں اسلام و کفر کے مسائل میں سمجھوتا نہیں ہوتا، اب قادیانی ہیں یا منکرینِ حدیث ہیں ان کے ساتھ نظریاتی سمجھوتا نہیں ہوتا؛ البتہ پیغمبرانہ طریقے سے دعوت دی جائے گی، پیغمبر گالیوں کا جواب گالیوں سے نہیں دیتے، پیغمبر ہمیشہ محبت کے ساتھ، شفقت کے ساتھ اپنا پیغام پہنچاتے ہیں، تو یہ ہمارے لیے بہت بڑی تعلیم ہے کہ جو لوگ اسلام سے خارج ہیں ہم ان کو دعوت دینے میں پیغمبرانہ طریقہ اختیار کریں:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ. (النحل:۱۲۵)

اگر مباحثہ کی بھی نوبت آجائے تو احسن طریقے سے کرو، گالیاں دینے سے نہیں، ان کو برا بھلا کہنے سے نہیں؛ بلکہ شفقت کے ساتھ، جو آدمی کفر میں مبتلا ہے وہ غصہ کرنے کے نہیں؛ بلکہ ترس کھانے کے لائق ہے کہ یہ بے چارہ غلط عقائد کی وجہ سے جہنم میں جائے گا اور ایک کفر و اسلام کا نہیں؛ بلکہ حق و باطل کا اختلاف ہے؛ یعنی وہ ہے تو دائرۂ اسلام میں؛ لیکن اس نے ایک بات باطل کہی ہے تو اس کے ساتھ معاملہ کچھ اور ہے، اس کو دلائل سے سمجھایا جائے، اس پر تشدد کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

تیسرا اختلاف مسلک کا ہوتا ہے، مالکی، شافعی، حنفی یہ مسلکی اختلاف ہے، ان میں سے کوئی باطل نہیں ہے؛ لہذا ان کے اوپر نکیر کرنا بھی جائز نہیں، کوئی شافعی پر نکیر

کرے کہ تم نماز میں رفعِ یدین ؛ یعنی ہاتھ کیوں اٹھاتے ہو؟ آمین بالجہر کیوں کرتے ہو؟ اس پر نکیر کرنا جائز نہیں ہے ؛ کیوں کہ یہ مجتہد فیہ مسائل ہیں، ان کے اندر کوئی جانب باطل نہیں ؛ بلکہ دونوں طریقے حق ہیں۔

جہاں بدعات ہیں وہاں پر بھی شفقت سے، پیار سے، محبت سے، تہذیب اور شائستگی کے دائرے کے اندر تنقید کرنا جائز ہے ؛ لیکن اس کی وجہ سے ایسا بن جانا کہ مشترک مسائل میں بھی ہم ان کو ایک ساتھ نہ رکھ سکیں اور ان کے ساتھ نہ بیٹھ سکیں یہ دین کا تقاضا نہیں ہے، یہ فرقہ واریت ہے، یہ تفرقہ سازی ہے، اس سے بچنا چاہیے، حضرت والا کی یہ نصیحت زریں نصیحت ہے، اسے لوحِ قلب پر لکھنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے زوال کے دو سبب ہیں : ایک قرآن کو چھوڑنا اور ایک آپس کی تفرقہ سازی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے، قرآن کو سینے سے لگانے اور اس کو سمجھنے کی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

صرف ترجمہ پر اکتفا نہ کرے تفسیر بھی پڑھے

جو لوگ باقاعدہ عالم نہیں ہیں وہ کم از کم دن میں تھوڑا سا وقت نکال لیں، بس قرآن کا ترجمہ اور تفسیر پڑھنے کے لیے علمائے کرام نے آسان ترین زبانوں میں تفاسیر لکھی ہیں، تفاسیر کا ایک ڈھیر ہے، جو اللہ تعالیٰ نے علمائے کرام کے ذریعہ سے لکھوایا، آسان بھی ہیں اور بعض دقیق بھی ہیں، مختصر بھی ہیں اور مفصل بھی ہیں، ہر طرح کی تفسیر ہیں ؛ لیکن کوئی ان سے فائدہ تو اٹھائے ؛ اگر کم از کم روزانہ پندرہ منٹ کوئی نکال لیں، مرد ہو یا عورت قرآنِ کریم کو ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ پڑھیں، تفسیر کے ساتھ میں اس

لیے کہہ رہا ہوں کہ بعض اوقات صرف ترجمہ سے لوگ غلط بات سمجھ جاتے ہیں، اگر لوگ یہ کام کرلیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ! قرآنِ کریم کے چھوڑنے کا جو گناہ ہے اللہ کے فضل سے اس سے چھٹکارا حاصل ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

دوسرا سفر بسوئے قبرص

دوسرا سفر ہمارا قبرص کا ہو، یہ ایک بڑا جزیرہ ہے جو کہ یورپ میں واقع ہے اور اس کے فتح ہونے کا واقعہ بھی بہت عجیب ہے اور سبق آموز ہے اور وہ یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے اور شام پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت گورنر کے حاکم ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے مجاہدین کو کہتے تھے کہ: ایسی جگہ مت جانا جہاں میرے اور تمھارے درمیان سمندر حائل ہو؛ چوں کہ ان کو اندیشہ تھا کہ مجاہدین کو نقصان نہ پہنچ جائے؛ اس لیے کہ اس زمانے میں دریا اور سمندر کا سفر بہت خطرناک ہوتا تھا، کشتیاں ہوا کے سہارے سے چلتی تھیں، جانا کہیں چاہ رہے ہیں اور کشتی پہنچا دیتی تھی کہیں اور، اس زمانے میں یہ طاقتور جہاز تو ایجاد نہیں ہوئے تھے؛ لہٰذا سمندر میں غرق ہوجانے کا بھی اندیشہ ہوتا تھا، تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ ہمارے مجاہدین محفوظ رہیں؛ اس لیے وہ سمندر میں جانے سے منع کرتے تھے۔

قبرص پر حملے کی اجازت اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے امیر تھے، انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اجازت لی، اس وقت صورتِ حال یہ

تھی کہ اس زمانے میں جو روم کی حکومت تھی وہ چاروں طرف بکھری ہوئی تھی، کسی بھی وقت وہ مسلمانوں کے لیے خطرہ بن سکتی تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چوں کہ بہت بڑے تجربہ کار اور بڑے زیرک تھے، انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اجازت لی کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ ہم سمندر کے راستے جا کر قبرص کو فتح کریں؛ کیوں کہ یہ جزیرہ ہمارے قریب ہے اور کسی بھی وقت رومی فوجی ہمارے اوپر حملہ کر سکتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شروع میں تأمل رہا؛ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کہنے پر اجازت دے دی۔

جزیرہ قبرص کے فتح ہونے کی پیشین گوئی

اس اجازت کے سلسلہ میں ایک حدیث تھی جو ایک خوش خبری پر مشتمل تھی، حدیث یہ ہے کہ ام حرام رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں اور خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا رضاعی رشتہ تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محرم تھیں تو وہ کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ اقدس کی مالش بھی کیا کرتی تھیں، تو ایک دن آپ تشریف لائے تو ام حرام رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ اقدس پر مالش کی، اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ لگ گئی اور آپ سو گئے، تھوڑی دیر بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو چہرۂ انور پر تبسم تھا۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! آپ کس بات پس مسکرا رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: خواب میں مجھے اپنی امت کے ایسے مجاہدین دکھائے گئے ہیں جو سمندر پر اس طرح سفر کر رہے ہیں جیسے تخت کے اوپر بادشاہ بیٹھے ہوں؛ یعنی اتنے آرام سے اور سکون و راحت کے ساتھ سفر کر رہے ہیں۔

تو ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! دعا فرمائیں کہ میں بھی ان میں

شامل ہو جاؤں۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تم بھی ان میں سے ہو گئی، یہ فرما کر دوبارہ آپ کی آنکھ لگ گئی اور دوبارہ جب بیدار ہوئے تو دوبارہ چہرۂ مبارک پر تبسم تھا۔

توام حرام رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ: یارسول اللہ! آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی بات فرمائی کہ: میں نے اپنی امت کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ سمندر پر جہاد کے لیے ایسے سفر کر رہے ہیں جیسا بادشاہ تخت پر بیٹھا ہو۔

توام حرام رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: یارسول اللہ! دعا فرمائیں کہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں۔تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: نہیں! تم پہلے والوں میں شامل ہو۔تو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو بحری مہمات کی نہ صرف پیشین گوئی فرمائی؛ بلکہ ان کے لیے ایک طرح سے بشارت دی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑے مقبول لوگ ہیں۔

تو ہوا یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر پہلی بار قبرص کی طرف سمندر کے ذریعے لشکر کشی کی، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بھی اور ان کے شوہر عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

یورپ کی طرف اسلامی لشکر کی پہلی پیش قدمی

ان حضرات نے قبرص پر جا کر چاروں طرف سے حملہ کر دیا اور ان کو شکست دی۔ یہ یورپ کی طرف سب سے پہلی پیش قدمی تھی؛ کیوں کہ قبرص یورپ کا جزیرہ ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ قیادت فتح ہوا؛ لیکن حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا یا تو واپسی کے وقت اور یا داخلے کے وقت ۔ دونوں قسم کی

روایات ملتی ہیں۔اپنی سواری پر سوار تھیں،اس سواری نے ان کو گرادیا اور اس میں ان کی گردن ٹوٹ گئی اور ان کی وہیں پر وفات ہوگئی۔ان کا مزار آج بھی قبرص میں موجود ہے، نیز چھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قبریں ہیں جو وہیں پر شہید ہوئے ہوں گے،مشہور ہے کہ یہ صحابی کی قبریں ہیں،اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔

وہاں پر جا کر کچھ عجیب سی کیفیت ہوتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح اتنی دور سے آئے ،اس وقت جب فاصلے بہت تھے ،ایک طرف بیروت ہے اور دوسری طرف قبرص ہے، دونوں آمنے سامنے ہیں؛ لیکن کتنی قربانیوں کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جا کر قبرص کو فتح کیا۔

فتح کی خوش خبری پر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا رونا

لیکن اس میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس لشکر میں جو قبرص پر حملہ کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا اس میں ایک صحابی تھے: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ، یہ بہت بزرگ صحابی ہیں ،اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا ،ان کے بارے میں روایت آتی ہے کہ جب قبرص فتح ہوا اور دشمن سرنگوں ہو گیا تو جب فتح کی خبر آئی تو رو پڑے،لوگوں نے پوچھا کہ: حضرت! یہ تو خوشی کا مقام ہے کہ اللہ نے ہمیں فتح عطا فرمائی، دشمن کو زیر کردیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین کی اشاعت کا موقع دیا ، یہ تو رونے کا مقام نظر نہیں آرہا، آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں؟

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے ایک عجیب جملہ ارشاد فرمایا، وہ جملہ مجھے سنانا تھا، انھوں نے فرمایا کہ: یہ لوگ جو پہلے قبرص کے حاکم تھے، بڑی قوت اور شوکت کے مالک

تھے، ان کی قوت اور شوکت کا دنیا میں ڈنکا بج رہا تھا اور ان کو سارے وسائل حاصل تھے اور دنیا کی مضبوط طاقت ان کو سمجھا جاتا تھا؛ لیکن جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر کمر باندھی اور اللہ تعالیٰ کے احکامات سے منہ موڑا اور کفر اختیار کیا اور فسق و فجور میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان پر مسلط کر دیا، ان کی ساری قوت وشوکت ختم ہوگئی، ان کی ہیبت جاتی رہی اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مسلط کر دیا کہ اب ہم ان کے حاکم ہیں، تو میں سوچ رہا ہوں کہ آج ہم نے تو ان کو فتح کرلیا؛ لیکن کل ہمارا حال ایسا نہ ہو کہ ہمارے اندر وہی بات پیدا ہوجائے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگیں، ہمارے معاشرے میں اللہ تعالیٰ کی معصیتوں کا رواج ہوجائے، اللہ کے احکام سے منہ پھیر لیں، تو مجھے خطرہ ہے کہ جو فتح ونصرت ہمیں حاصل ہوئی ہے یہ کبھی شکست میں تبدیل نہ ہوجائے۔ اس فتح کے وقت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ یہ بات فرما رہے تھے۔

اب جب ہم وہاں جاکر دیکھتے ہیں تو بالکل وہی صورتِ حال ہمارے سامنے ہوتی ہے کہ اب وہ ملک مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل چکا ہے، آپ نے سنا ہوگا کہ مدتوں تک یونان اور ترکی کے درمیان جنگ چلتی رہی، یونانی کہتے تھے کہ: ہم اس کے اوپر حکومت کریں گے، یہاں تک کہ اقوامِ متحدہ درمیان میں آئی اور اس نے قبرص کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، ایک یونانیوں کے پاس ہے اور ایک ترکوں کے پاس ہے۔

اب عجیب عبرت کا منظر یہ ہے (اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے) کہ یونانی عیسائی ہیں، یا لادین دہریہ ہیں، آدھے جزیرے پر ان کی حکومت ہے، ان کے کافر ہونے کے باوجود وہاں ان کا قانون یہ ہے کہ کہیں پر کوئی جوا خانہ نہیں بن سکتا، اور جو ترکی کا

حصہ ہے جو بظاہر مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، وہاں جوا خانے کھلے ہوئے ہیں، اور لوگ سیاحت کے لیے اس لیے جاتے ہیں کہ وہاں جوا خانوں میں جوا کھیل سکیں، تو یہ عبرت کا مقام ہے کہ کافر جس چیز سے پرہیز کرتا ہے مسلمان اس پر عمل کرتا ہے، اب بھلا! بتاؤ پٹائی نہ ہو تو کیا ہو؟ کہ کافر گناہ سے بچا ہوا ہے اس کو برا سمجھتا ہے اور اس کو قانوناً منع بھی کرتا ہے؛ مگر مسلمان اس سے پرہیز نہیں کرتے۔

اسی جزیرے کے مسلمان حصے میں یہ سب کام جاری ہیں، تو جو بات حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی وہ آج آنکھوں سے نظر آ رہی ہے، اب وہ ہمارے ہاتھوں سے چھن چکا، مسلمانوں کی بڑی تعداد ہے، یونانی حصے میں بھی اور ترکی حصے میں بھی۔ الحمد للہ! مسجدیں بھی ہیں، لوگ کوشش بھی کر رہے ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں کی تربیت ہو؛ لیکن نسلوں کو بچانا مشکل ہو رہا ہے، جو پرانے زمانے کے مسلمان چلے آ رہے ہیں وہ تو الحمد للہ! نمازوں کے پابند ہیں، مسجدیں ان سے بھری ہوئی ہیں؛ لیکن جو نئی نسل ہے وہ بس نام کے مسلمان ہیں؛ باقی سب چیزوں میں وہ کافروں کے طریقوں پر عمل کر رہے ہیں۔

اور یہ حال تقریباً سارے مغربی ملکوں کا ہے، انگلینڈ میں کچھ بہتری ہے کہ مدرسے بھی ہیں، مسجدیں بھی ہیں، تبلیغ کا کام بھی ہو رہا ہے، اس کے باوجود اسّی فیصد مسلمانوں کے بچے مرتد ہو چکے ہیں یا مرتد ہو رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ اور اکثر مغربی ملکوں میں یہی حال ہے۔

یہ جو لوگ تمنا کر رہے ہیں کہ کاش ہمیں امریکہ میں نوکری مل جائے یا کاش

انگلینڈ میں ہمیں نیشنلٹی مل جائے، اس کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، اس کے لیے تگ ودو کرتے ہیں، جس کے ہاتھ میں گرین کارڈ آ گیا ایسے لگتا ہے جیسے اس کو جنت مل گئی اور اس کے ہاتھ میں وہاں کی نیشنلٹی آ گئی وہ اپنے لیے یہ سمجھتا ہے کہ مجھے بہت بڑا اعزاز مل گیا، وہاں حالت یہ ہے، اس وقت تو تم شوق شوق میں چلے جاؤ گے، ہوسکتا ہے کہ گرین کارڈ مل جائے، ہوسکتا ہے کہ تمھارے پیسوں میں بھی اضافہ ہوجائے؛ لیکن جو بچے تمھارے پیدا ہورہے ہیں ان کی حفاظت کون کرے گا؟ کس طرح کرے گا؟

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ہمیں گرین کارڈ مل جائے، ہمیں وہاں کی نیشنلٹی مل جائے؛ مگر وہ اللہ کے بندے یہ نہیں سوچتے کہ کس طرح اپنے دین پر قائم رہیں گے اور بعض رہتے بھی ہیں اور اپنے بچوں کے ایمان کا خیال بھی کرتے ہیں؛ لیکن مجموعی طور پر نئی نسلوں کا تحفظ بہت مشکل ہوگیا ہے، اس کو انعام سمجھنا، اس کو منزلِ مقصود سمجھنا درست نہیں ہے، یہ اچھی بات نہیں ہے کہ انسان دین کی قربانی دے کر دنیا کو حاصل کرے؛ اس لیے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی جو بات ہے (اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے) بڑی معنی خیز بات تھی، جو اس وقت ارشاد فرمائی جب قبرص فتح ہورہا تھا۔

اس واسطے جو سبق مل رہے ہیں، ایک تو قرآنِ کریم کو اپنانا، اس کی تلاوت کو، اس کے فہم کو، اس پر عمل کو خود بھی اور اپنے اولاد کو بھی اور دوسرا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین حاصل کرنے کے، معلومات حاصل کرنے کے، دین پر عمل کرنے کے جو مواقع دیے ہیں ان کی قدر کریں، جو اچھی صحبت اللہ نے عطا فرمائی ہے اس کو غنیمت سمجھیں، اگر کوئی شخص اچھی صحبت حاصل کرنا چاہے تو کوئی کمی نہیں ہے، الحمد للہ! اچھی

صحبت میسر آسکتی ہے ؛ لہذا اپنی صحبت اچھے لوگوں کے ساتھ رکھیں ، میل جول نیک لوگوں کے ساتھ رکھیں ، جو اللہ کے رسول کے ساتھ محبت کرنے والے ہوں ۔

اوراس چکر میں پڑنا کہ میں اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی مغربی ملک میں چلا جاؤں ، ٹھیک ہے وہاں کچھ پیسے زیادہ مل جائیں گے ،بعض کو تو میں نے دیکھا کہ ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں ، ان کو نوکری نہیں ملتی ؛ کہیں ہوٹلوں کے ویٹر بن جاتے ہیں ، کہیں برتن صاف کرنے کے لیے لگ جاتے ہیں ؛ لیکن سب کچھ کرنے کے باوجود گرین کارڈ لے لیں یا نیشنلٹی حاصل کرلیں تب بھی وہ عزت نہیں ہوسکتی جو اپنے وطن میں ہے ، جو لوگ وہاں چلے گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے اور ہم کوشش کرتے ہیں کہ وہاں پر دینی فضا قائم ہو ، اصلاحی مجالس ہوں ، بیانات ہوں جن سے لوگ دین کی حفاظت کرسکیں ، تبلیغی جماعت کا کام وہاں ہو رہا ہے ، الحمد للہ ! اس سے بہت فائدہ پہنچ رہا ہے ؛ مگر کوئی آدمی یہاں سے وہاں جانے کی کوشش کرے اور یہ سوچے کہ وہاں جا کر مجھے کوئی جنت مل جائے گی تو یہ انتہائی بے غیرتی کی بات ہے اور اپنی نسلوں کو خراب کرنے والی بات ہے ، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے ۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

❁❁❁

درس

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم العالیہ

۱۱/جولائی ۲۰۱۹ء کو حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک پر حاضری دی، حاضری کے بعد اسی کے ساتھ ملحق مسجد میں مولانا یوسف شبیر صاحب کا رسالہ ''جزء في أحاديث أم حرام بنت ملحان رضي الله عنها ووفاتها بقبرص'' پڑھا گیا اور پھر حضرت مفتی صاحب نے مختصر تقریر فرمائی جو یہاں پیش کی جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد خاتم النبیین و إمام المرسلین و قائد الغر المحجلین وعلی اٰلہ و أصحابہ أجمعین، أما بعد!

ماشاء اللہ! اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، یہ حدیث جس کی بنا پر حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ مشہور ہوئیں، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں اور حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کا رضاعت کا رشتہ تھا، حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر میں بکثرت تشریف لے جاتے تھے اور حدیث میں یہ ہے کہ: حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ اقدس میں جوئیں نکالتی تھیں، یہ حدیث کا لفظی معنیٰ ہے، حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بھی آتا ہے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنے سر میں سے جوئیں نکالتے تھے؛ لیکن درحقیقت جوئیں نکالنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سر میں بہت ساری جوئیں تھیں اور ان کو باقاعدہ نکالا جا رہا تھا؛ بلکہ یہ درحقیقت راحت کے لیے ایک عمل تھا، جیسے سر میں مالش کی جاتی ہے، اس میں بسا اوقات کوئی جُو بھی سامنے آجاتی ہے تو مجموعے کو ''تفلی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں تھا کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ اقدس میں کوئی بہت زیادہ جوئیں تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی وجہ سے پریشان ہو گئے ہوں؛ اس لیے پکڑ پکڑ کر نکال رہے ہیں۔

تو حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا گھر میں تشریف لائے، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے کھانا کھلایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر مبارک کو مالش کی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا تو انصاریہ ہیں، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بھی انصاری ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی انصاری ہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس عورت سے جوئیں نکلوانا کیسے درست ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: روایات میں ثابت ہے کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ننھیال مدینہ میں تھی، دوسری حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رضاعت کا رشتہ تھا؛ اس لیے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے تکلف ان کے یہاں جایا کرتے تھے۔

تو وہاں پر حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو گئے، پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے تو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یارسول اللہ! ہنسنے کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میری امت کے کچھ لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ میرے سامنے پیش کیے گئے اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کے لیے اور وہ اس سمندر کی موجوں پر اس طرح سوار تھے جیسے بادشاہ تخت پر سوار ہوتا ہے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: یارسول اللہ! دعا کر دیجیے کہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ہاں! تم بھی اس میں ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو گئے اور پھر دوبارہ بیدار ہوئے اور ہنس رہے تھے تو پھر پوچھا: یارسول اللہ! آپ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب میرے سامنے میری امت کے کچھ لوگ اس طرح سے پیش کیے گئے کہ وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے لیے نکلیں گے اور وہ سمندر میں اس طرح سوار ہوں گے جیسے بادشاہ تخت پر سوار ہوتا ہے تو میں نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! دعا کر دیجیے کہ میں بھی ان میں شامل

ہو جاؤں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں! تم پہلی والی جماعت میں سے ہو۔

یعنی یہ دو بشارتیں تھیں اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے دونوں میں شریک ہونے کی خواہش کی؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: آپ پہلی والی میں شامل ہوں گی، دوسری میں شامل نہیں ہوں گی۔

چناں چہ ایسا ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا، اس سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جتنے بھی مجاہدین بھیجتے تھے تو ان کو ہمیشہ یہ فرماتے تھے کہ: ایسی جگہ مت جانا جہاں میرے اور تمھارے درمیان کوئی دریا یا سمندر حائل ہو، اور وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر دریا بیچ میں آ گیا یا سمندر بیچ میں آ گیا تو رابطہ برقرار نہیں رہے گا، مشکل ہو جائے گا اور یہ بھی بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس وجہ سے منع فرماتے تھے کہ سمندر کا سفر اس زمانے میں بہت زیادہ خطرناک ہوا کرتا تھا تو اگر پوری پوری فوج سمندر میں اتر گئی اور سمندر کے اندر غرق ہو گئی تو بہت بڑا نقصان ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے حاکم تھے اور ان کی خواہش تھی کہ سمندری جہاد کیا جائے؛ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ منع فرماتے تھے، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم سمندر کے ذریعہ سفر کر کے سمندر کے پار علاقوں کو فتح کریں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شروع میں کہتے تھے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع کر رکھا ہے تو میں کیسے اجازت دوں؟ لیکن جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہت زیادہ اصرار کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔

امام بخاریؒ نے ''باب البیوع'' میں ''باب التجارة في البحر: سمندر میں جا کر تجارت کرنا'' ایک مستقل باب قائم کیا ہے، اس میں اس بات کو ثابت کیا ہے کہ سمندر کے اندر سفر کرنا بذاتِ خود کوئی ممنوع نہیں ہے؛ بلکہ جہاں خطرہ ہو اس کی وجہ سے منع کیا گیا ہے۔

بعض روایتیں آتی ہیں جن میں سمندر میں سفر کرنے کو مکروہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمندر میں سفر کرنے سے منع فرمایا؛ لیکن وہ روایتیں ضعیف ہیں؛ اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے اس پر یہ مستقل باب منعقد کیا ہے۔

بہر حال! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہت زیادہ اصرار کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت دی اور اس کے بعد سب سے پہلا انھوں نے جو سمندر کے پار جہاد کیا وہ یہ قبرص پر کیا اور اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود شریک ہوئے اور خود ان کی قیادت میں یہاں پر لشکر آیا اور اس لشکر میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔

وہ لوگ جب یہاں پر آئے تو اللہ تعالیٰ نے قبرص کو فتح عطا کی اور قبرص والوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا اور اس طرح قبرص اسلامی حکومت کے ماتحت آ گیا، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا جب واپس جانے لگیں تو کشتی میں سوار ہونے والی تھیں اس سے پہلے ان کی سواری نے ان کو گرا دیا، اس طرح ان کی گردن ٹوٹ گئی اور اسی میں ان کا انتقال ہوا اور پھر یہاں پر ان کی تدفین ہوئی۔

بعض روایتوں میں یہ ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب جہاد کے لیے آرہے تھے اور ابھی جہاد شروع نہیں ہوا تھا کہ اتنے میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا گر گئی اور

ان کی وفات ہوگئی ؛ لیکن زیادہ تر روایتوں میں یہ ہے کہ واپسی میں جاتے ہوئے وفات ہوئی۔

اس کی بظاہر مجھے توجیہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے ان کو یہ فرمایا تھا کہ: تم پہلے لوگوں میں داخل ہوں گی جو جہاد کریں گے تو اس لیے ظاہر یہ ہے کہ جہاد میں شریک ہوئی اور اس کے بعد واپسی میں ان کا انتقال ہوا۔

اس واقعے نے حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے مرتبہ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو یہ سعادت بخشی کہ سمندر کے پہلے جہاد میں شریک ہوئیں۔

دوسرا جو جہاد ہوا وہ قسطنطنیہ کے لیے ہوا تھا۔

مولانا یوسف شبیر صاحب نے ماشاءاللہ ! مختلف کتابوں سے ان کی قبر کے بارے میں جو حالات جمع کیے ہیں اس کے اندر یہ بھی ہے کہ بہت سے بڑے بڑے مورخین اور محدثین نے ان کی قبر کی زیارت کی ہے۔

اس میں ہے کہ ہشام ابن الغاز کہتے ہیں کہ: حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی قبر قبرص میں ہے اور وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ: یہ نیک عورت کی قبر ہے اور ہشام بن عمار سے نقل کیا ہے کہ: میں نے خود ان کی قبر کی زیارت کی ہے اور میں قاقیس میں سمندر کے کنارے ان کی قبر پر کھڑا رہا۔

اور امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ: مجھے لوگوں نے بتایا ہے کہ: ان کی قبر کی زیارت فرنجی لوگ بھی کرتے ہیں، یہ تو ہم پرست لوگ ہیں جیسے ہندو لوگ ہیں وہ مسلمانوں کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں۔

اور اس میں ''الاستیعاب'' کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ: اہلِ شام حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگتے تھے۔

اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خود جہاد میں اپنی اہلیہ فاختہ بنت قرظہ کے ساتھ شریک تھے اور یہ بھی بتایا ہے کہ: ایک طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر آیا تھا اور دوسری طرف سے حضرت عبداللہ بن سعد ابن ابی السرح رضی اللہ عنہ سوار ہو کر آئے تھے اور پھر دونوں اکھٹے ہوئے اور انھوں نے وہاں پر جہاد کیا، اس میں کافی لوگ مرے اور بہت سے لوگ قید بھی ہوئے اور بڑا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔

لیکن جب قیدی لائے گئے تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ رونے لگے، زبیر ابن نفیر جو ان کے شاگرد ہیں انھوں نے کہا کہ: آپ کیوں رو رہے ہیں؛ حالاں کہ یہ فتح کا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اہلِ اسلام کو عزت عطا فرمائی ہے؟

اس پر حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں اس لیے رو رہا ہوں کہ یہ لوگ جن کے اوپر ہم نے فتح حاصل کر لی ہے یہ بڑے غالب لوگ تھے اور ان کی بڑی شوکت اور قوت تھی، حکومت تھی؛ لیکن جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی تو ان کو اللہ تعالیٰ نے اس انجام تک پہنچایا، جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتی ہے تو اللہ ان کی حکومت کو برباد کرتے ہیں۔

یعنی اس وقت فتح کے دن حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ خود بھی عبرت لے رہے تھے اور نصیحت کر رہے تھے اور رو رہے تھے کہ: کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی کسی وقت ایسے بن جائیں اور دوسرے لوگ ہم پر غالب آجائیں۔ آج ہم اس دور میں ہیں والعیاذ باللہ!

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه أجمعين.

حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی نے پھر اسی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ:

یہ بڑی نادر زیارت ہے، اس کی کبھی توقع نہیں تھی، مولانا حنیف دودھ والا صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، انھوں نے مالٹا کا پروگرام بنایا، بعد میں ان کا پیغام آیا کہ آپ نے کبھی قبرص کی زیارت کی ہے؟

میں نے کہا: نہیں۔

تو انھوں نے کہا کہ: واپسی میں قبرص کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔

میرے تو تصور نہ تھا کہ یہاں حضرت ام حرام کے مزار پر زیارت کا موقع ملے گا رضی اللہ عنہا۔ اللہ تعالیٰ مولانا یوسف شبیر کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ نے انھیں غیر معمولی سرعت اور بڑی مستعدی کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے، ماشاء اللہ! علمی ذوق ہے اور ایک دم کتابوں کی طرف پہنچ کر جلدی سے جلدی جمع کر لیتے ہیں، بلقان اور اسی طرح ازبکستان میں یہ روز کا روز لکھ لیتے تھے، ہم تھکے ہوئے ہوتے تھے اور یہ لکھ لیا کرتے تھے اور ماشاء اللہ! حوالوں کے ساتھ، اور یہ رسالہ مجھے ابھی راستے میں دیا، وفقك الله!

❁❁❁

درس

حضرت مولانا شیخ یونس صاحب جونپوریؒ

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیح بخاری میں متعدد بار آئی ہے، انھیں احادیث کی تشریح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ کی دروسِ بخاری کی آڈیو کلپ سے قلمبند کرکے یہاں نقل کی جارہی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

①روى الإمام البخاري في الصحيح (٢٧٨٨) قال: حدثنا عبد الله بن يوسف عن مالك عن إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة عن أنس بن مالك رضي الله عنه أنه سمعه يقول: كان رسول الله صلى الله عليه و سلم يدخل على أم حرام بنت ملحان فتطعمه، و كانت أم حرام تحت عبادة بن الصامت، فدخل عليها رسول الله صلى الله عليه و سلم فأطعمته وجعلت تفلي رأسه، فنام رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم استيقظ وهو يضحك، قالت: فقلت: ومايضحكك يارسول الله؟ قال: ناس من أمتي عرضوا علي غزاة في سبيل الله، يركبون ثبج هذا البحر ملوكا على الأسرة، أو مثل الملوك على الأسرة، شك إسحاق، قالت: فقلت: يارسول الله، ادع الله أن يجعلني منهم، فدعا لها رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم وضع رأسه، ثم استيقظ و هو يضحك، فقلت: و ما يضحكك يا رسول الله؟ قال: ناس من أمتي عرضوا عليّ غزاة في سبيل الله، كما قال في الأول. قالت: فقلت: يا رسول الله ادع الله أن يجعلني منهم، قال: أنت من الأولين، فركبت البحر في زمان معاوية بن أبي سفيان، فصرعت عن دابتها حين خرجت من البحر فهلكت.

*حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام حرام بنت **ملحان** رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تھے تو کس طرح تشریف لے جاتے تھے وہ تو اجنبیہ تھیں؟*

بعض علما تو فرماتے ہیں، جیسے قاضی ابن عربی کہ یہ نزولِ حجاب سے پہلے کا

قصہ ہے۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ ان کا پورا تفصیلی قصہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ: یہ حجۃ الوداع کے بعد کا واقعہ ہے اور حجاب کا نزول اس سے پہلے سن ۳یا۴یا۵ علی اختلاف الاقوال ہو چکا تھا۔

دوسرا جواب بہت سے علما ابن وہب وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں۔

بعض کہتے ہیں: آپ کے والد کی رضاعی خالہ تھیں۔

بعض آپ کے دادا کی خالہ بتاتے ہیں۔

ابن مزین کہتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محارم میں سے ہیں؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبد المطلب کی والدہ سلمٰی بنت عمرو قبیلۂ عدی بن بنو نجار سے تھی۔

حافظ دمیاطی نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ سلمہ بنت عمرو ام حرام رضی اللہ عنہا کے ساتھ عامر ابن غنم میں جمع ہوتی ہے جو ابھی سادس ہے اور یہ ایسی خولت ہے کہ اس سے محرمیت کا ثبوت نہیں ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبی مائیں مشہور و معروف ہیں۔

تیسرا جواب قاضی ابن عربیؒ نے یہ دیا کہ: یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے، خلوت بالاجنبیہ وسوسۂ شیطانیہ ہے؛ اس لیے حرام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے محفوظ تھے؛ اس لیے آپ کے لیے جائز ہے۔

قاضی عیاضؒ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ محض احتمال سے خصوصیت ثابت نہیں ہوتی، اس کی دلیل کی ضرورت پڑتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: دلیل ظاہر ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عام لوگوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم تھے، آپ کا شیطان مسلمان ہو گیا تھا؛ اس لیے آپ کے بارے میں وہ خطرہ نہیں تھا جس کی بنیاد پر خلوت بالاجنبیہ سے منع کیا گیا ہے۔

اور چوتھا جواب یہ ہے کہ ''آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہوتے تھے'' اس کا معنی یہ نہیں کہ گھر میں گھس جایا کرتے تھے؛ بلکہ کوئی ساتھ ہوتا تھا خاوند ساتھ ہو یا ان کی اولاد ہو یا ان کا کوئی محرم ساتھ ہو؛ لیکن مسئلہ آگے چل کر مشکل ہو جاتا ہے جس میں یہ ہے ''وجعلت تفلی راسه'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر سے جوئیں نکالنی لگیں۔

اجنبیہ کسی مرد کے بدن کو ہاتھ نہیں لگا سکتی؛ اس لیے اب یا تو یہ کہا جائے کہ وہ صرف بالوں کو چھوتی تھی؛ مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ جوں نکالنے میں محض بال چھونا کافی نہیں ہوتا؛ اس لیے دوسرا ہی جواب صحیح ہے اور اسی طرح جو تیسرا جواب ہے کہ آپ کی خصوصیت ہے، حافظ ابن حجر عسلانیؒ نے لکھا ہے:

الذي وضح لنا بالأدلة القوية أن من خصائص النبي صلى الله عليه وسلم جواز الخلوة بالأجنبية والنظر إليها أونحوهذا.

فتطعمه: وہ آپ کو کھانا کھلاتی تھی۔

یہ کھانا کھلانا اسی بات کی چیز ہے جو عرف میں شائع ہے کہ خاوند کی طرف سے بیوی کو اجازت ہوتی ہے کہ اگر کوئی مہمان آجائے، کوئی ملنے والا آجائے تو اس کی ضیافت کر دی جائے، اکرام کر دیا جائے اور یہاں کسی مزید تقریر کی ضرورت نہیں ہے۔

و کانت ام حرام تحت عبادة بن الصامت : اور ام حرام رضی اللہ عنہا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔

فدخل عليها رسول الله و جعلت تفلي راسه.

"جعلت تفلی راسه" پر ایک اشکال تھامسِ اجنبیہ کے متعلق، اس کے متعلق عرض کیا جاچکا؛ لیکن دوسرا اشکال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن میں جُوکہاں سے پڑ گئیں، جوں تو میل کچیل اور گندگی سے ہوتی ہے؟

اس کے دو جوابات ہیں: ایک جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر میں جوں نہیں پڑتی تھی؛ بلکہ جیسے جوں کو تلاش کیا جاتا ہے اسی طرح وہ آپ کے بالوں کو ادھر ادھر کرتی تھی جس سے سر کو راحت پہنچتی ہے۔

اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ جوں تھی تو پھر اس کے دو جواب ہیں: ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ جوں آپ کی ذاتی نہیں تھی؛ بلکہ دوسرے سے چڑھ کر کپڑوں وغیرہ پر آجاتی تھی اور دوسرا جواب یہ ہے کہ: آپ بسا اوقات جہاد وغیرہ میں تشریف لے جایا کرتے تھے، مشغولیت کی وجہ سے وہاں نہانے اور کپڑے بدلنے کی فرصت نہیں ملتی ہوگی تو گرد وغبار جو جمع ہوجاتا تھا اس سے جوں پیدا ہوجاتی ہوگی؛ مگر یہ کوئی قطعی بات نہیں ہے، ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ: حقیقت میں وہاں جوں پڑتی تھی یا نہیں پڑتی تھی، بس "فلی الرأس" کا حدیث میں ذکر ہے، جتنا وارد ہے اتنے ہی کا اثبات کرتے ہیں۔

شک اسحاق : راویٔ حدیث حضرت اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ کو شک ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے "ملوکا علی الاسرة" کہا یا "مثل الملوک

علی الاسرۃ'' کہا، ایسے ہوں گے جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھے ہوتے ہیں۔

آیا اس سے کیا مقصد ہے؟

اس میں بھی اختلاف ہے، قاضی باجیؒ کی رائے یہ ہے کہ: اس سے ان کی دنیا کے احوال کے صلاح کی طرف اشارہ کرنا ہے؛ یعنی اللہ آئندہ اس امت کے لوگوں کو عزت وجاہ عطا فرمائیں گے۔ قاضی عیاضؒ نے بر سبیلِ احتمال یہ بات ذکر کی ہے؛ لیکن حافظ ابن عبد البرؒ اور ان کی اتباع میں حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ آخرت کے احوال دکھائے گئے؛ یعنی اللہ ان کو جنت میں بھی مقامِ عالی عطا فرمائیں گے، اس مقام پر مشاہدہ کرایا گیا کہ یہ غُزات شاہانہ حالت میں ہوں گے۔

زمان معاویة: زمانۂ معاویہ سے کیا مراد ہے؟

زمانۂ معاویہ سے ان کی امارت کا زمانہ مراد ہے جب کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماتحت شام کے حاکم تھے، یہی عام اہلِ سیر کی رائے ہے۔

قاضی باجی اور قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ: ممکن ہے اس سے ان کا زمانۂ خلافت مراد ہو؛ لیکن یہ صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ اہلِ سیر نے اس واقعہ کا تذکرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کیا ہے۔

خلیفہ ابن خیاط اور ابن ابی حاتم اس واقعہ کو سن ۲۸ رمیں ذکر کرتے ہیں اور یعقوب بن سفیان ۲۷ رمیں اور ابن جریر طبری نے ابو معشر نجیح السندی سے نقل کیا ہے کہ: یہ سن ۳۳ رہجری کا واقعہ ہے۔

جو بھی صورتِ حال ہو: ۲۷ ہو، ۲۸ ہو، ۳۳ ہو، بہر حال! یہ دورِ عثمانی کا واقعہ

ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوئی ہے۔

خرجت من البحر:

یہاں ''خروج من البحر'' سے مراد وہیں پر سمندر سے نکلنا ہے، ہوا یہ کہ جب ان حضرات نے جزیرہ فتح کرلیا تو ان کی خواہش ہوئی کہ ان کو دکھا دیا جائے، سواری پر سوار کی گئی، ایک دم سے اوپر سے گری، گردن ٹوٹ گئی اور وفات ہوگئی۔

②وفي رواية (٢٧٩٩): فلما انصرفوا من غزوهم قافلين، فنزلوا الشام، فقربت إليها دابة لتركبها، فصرعتها فماتت.

فنزلوا الشام:

دوسری تمام روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی وفات جزیرۂ قبرص میں ہوئی ہے تو یہاں یہ کہا جائے گا کہ: ''فلما انصرفوا'' مؤول ہے، معنی یہ ہے کہ جب انھوں نے انصراف اور نزولِ شام کا ارادہ کیا تو اُس وقت وہ سواری پر سوار ہوئی اور دوسری روایات میں ہے ''فنزلوا الشام'' کہتے ہیں کہ انھوں نے خواہش کی کہ ان کو جزیرہ دکھا دیا جائے، سواری لائی گئی، سوار ہوئی؛ لیکن لڑھک گئی، گردن ٹوٹی اور وفات پاگئی، اب بھی وہاں کے لوگ ان کی قبر کو جانتے پہچانتے ہیں اور مرأۃِ صالحہ کی قبر کے ساتھ ان کی قبر مشہور ہے؛ لیکن اب کا معلوم نہیں۔

③وقال الإمام البخاري (٢٩٢٤): حدثني إسحاق بن يزيد الدمشقي حدثنا يحيي بن حمزة قال: حدثني ثور بن يزيد عن خالد بن معدان أن عمير بن الأسود العنسي حدثه أنه أتى عبادة بن الصامت و هو نازل في ساحة

حمص و هو في بناء له ، و معه أم حرام . قال عمير : فحدثتنا أم حرام أنها سمعت النبي صلى الله عليه و سلم يقول : أول جيش من أمتي يغزون البحر قد أوجبوا . قالت أم حرام : قلت : يا رسول الله أنا فيهم ؟ قال : أنت فيهم ، ثم قال النبي صلى الله عليه و سلم : أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم . فقلت : أنا فيهم يا رسول الله ؟ قال : لا .

اوجبوا: یعنی پہلا لشکر جو سمند میں جہاد کرے گا اس نے اپنے لیے جنت کو واجب کرلیا۔

اس لشکر کے امیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے ساتھ دوسرے صحابہ جنگ میں شریک تھے۔ اور میں بتا چکا کہ یہ جنگ ۲۷ھ یا ۲۸ھ یا ۳۳ھ میں ہوئی، یہ تین اقوال ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: پہلا لشکر جو مدینہ قیصر پر حملہ کرے گا وہ مغفور لہ ہے، اس لشکر کا امیرِ سالار یزید ابن معاویہ تھا اور اس کے ساتھ بہت اکابر صحابہ: ابن عمر، ابن عباس اور ابوایوب انصاری وغیرہ تھے، اسی جنگ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

❁❁❁

جزء في أحاديث أم حرام بنت ملحان رضي الله عنها ووفاتها بقبرص

جمعه يوسف شبير أحمد البريطاني

وقرئ الفصل الأول منه على شيخ الإسلام المفتي محمد تقي العثماني في المسجد المجاور لضريح أم حرام رضي الله عنها بقبرص ثم قرظ له.

تقريظ شيخ الإسلام المفتي محمد تقي العثماني

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى ، أما بعد:

فقد أكرمني الله سبحانه في صحبة أهل العلم و الدين المذكور أسماؤهم في نهاية هذا البيان بزيارة قبرص ، و هي أول جزيرة غزاها المسلمون في عهد عثمان بن عفان باستئذان من معاوية رضي الله عنهما ، و هي الغزوة التي بشر بها رسول الله صلى الله عليه وسلم أم حرام بنت ملحان رضي الله عنها زوجة عبادة بن الصامت رضي الله عنه ، فجاءت أم حرام مع هؤلاء الغزاة المجاهدين ، وقد صرعت عن دابتها في جزيرة قبرص وتوفيت بها ودفنت فيها.

وقد زرنا اليوم المسجد عند قبرها ، كما تشرفنا بالسلام عليها في مواجهة قبرها . وقد قرأ علينا عدة علماء الجزء الذي ألفه الشاب الفاضل الشيخ يوسف شبير حفظه الله تعالى في جمع الأحاديث المتعلقة بأم حرام ، وما قال فيها المحدثون والمؤرخون ، فاستفدنا بهذا الجزء في هذا المسجد الشريف بقرب قبر أم حرام رضي الله عنها وأرضاها . وأدعو الله سبحانه أن يوفقنا للجهاد في سبيله وأن يحيينا مجاهدين ويتوفانا شهداء ، وما ذلك على الله بعزيز.

و هذه أسماء شركاء المجلس :

(١) محمد تقي العثماني.

(٢) يوسف شبير أحمد.

(٣) عمر فاروق باندور.

④عبد الحق داتا.

⑤سليم بن محمد.

⑥طلحة داتا.

⑦فريد تيمول.

⑧عبد العزيز.

⑨محمد أبوالنور.

⑩محمد حنيف.

⑪شاكر جكهورا.

⑫محمد بن آدم.

⑬رفيق صوفي.

⑭أحمد حسن.

محمد تقي العثماني

لارنيكا،٨ ذو القعدة ١٤٤٠ه، ١١ يوليو ٢٠١٩م

❁❁❁

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين، والعاقبة للمتقين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين، وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد:

فهذا جزء وجيز في أحاديث الصحابية الصالحة المجاهدة الشهيدة أم حرام بنت ملحان رضي الله عنها وذكر أحوالها، رتبته على فصلين، الأول في الأحاديث المروية عنها أو الوارد فيها ذكرها أو ابنها، والثاني في ذكر أحوالها ووفاتها بقبرس، وبالله التوفيق.

فأما الفصل الأول

فالأصل فيه ما روى الإمام البخاري في الصحيح (۲۷۸۸) قال: حدثنا عبد الله بن يوسف عن مالك عن إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة عن أنس بن مالك رضي الله عنه أنه سمعه يقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخل على أم حرام بنت ملحان فتطعمه، وكانت أم حرام تحت عبادة بن الصامت، فدخل عليها رسول الله صلى الله عليه وسلم فأطعمته وجعلت تفلي رأسه، فنام رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم استيقظ وهو يضحك، قالت: فقلت: وما يضحكك يارسول الله؟ قال: ناس من أمتي عرضوا علي غزاة في سبيل الله، يركبون ثبج هذا البحر ملوكا على الأسرة، أو مثل الملوك على الأسرة، شك إسحاق، قالت: فقلت: يارسول الله! ادع الله أن يجعلني منهم، فدعا لها رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم وضع رأسه، ثم استيقظ وهو يضحك، فقلت: وما يضحكك يارسول الله؟ قال:

ناس من أمتي عرضوا علي غزاة في سبيل الله ، كما قال في الأول . قالت : فقلت : يارسول الله ! ادع الله أن يجعلني منهم ، قال : أنت من الأولين ، فركبت البحر في زمان معاوية بن أبي سفيان، فصرعت عن دابتها حين خرجت من البحر فهلكت . قال الإمام أبو داود السجستاني في السنن (٢٤٩١) : وماتت بنت ملحان بقبرص ، انتهى . وهكذا قال الإمام ابن حبان في صحيحه (٤٦٠٨) .

ورواه البخاري من حديث أنس عن أم حرام ، وفيه (٢٨٩٤) : فلما رجعت قربت دابة لتركبها ، فوقعت ، فاندقت عنقها . وفي رواية (٢٧٩٩) : فلما انصرفوا من غزوهم قافلين ، فنزلوا الشام ، فقربت إليها دابة لتركبها ، فصرعتها فماتت . قال الحافظ العيني في عمدة القاري (١٤/٩٧) : قوله : فنزلوا الشام ، أي متوجهين إلى ناحية الشام ، انتهى ، يعني أنها لم تمت ببلاد الشام . وقال الحافظ ابن حجر (١١/٧٢) : التحقيق أن أول الحديث من مسند أنس وقصة المنام من مسند أم حرام ، انتهى .

وقال الإمام البخاري (٢٩٢٤) : حدثني إسحاق بن يزيد الدمشقي حدثنا يحي بن حمزة قال : حدثني ثور بن يزيد عن خالد بن معدان أن عمير بن الأسود العنسي حدثه أنه أتى عبادة بن الصامت وهو نازل في ساحة حمص وهو في بناء له ، ومعه أم حرام . قال عمير : فحدثتنا أم حرام أنها سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول : أول جيش من أمتي يغزون البحر قد أوجبوا . قالت أم حرام : قلت : يارسول الله أنا فيهم ؟ قال : أنت

فيهم ، ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم : أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم . فقلت : أنا فيهم يا رسول الله ؟ قال : لا .

وزاد عند ابن أبي عاصم في الآحاد والمثاني (٣٣١٣) : قال ثور : سمعته يحدث به وهو في البحر ، انتهى . ويستفاد منه التحديث في البحر .

وقال الإمام مسلم بن الحجاج في صحيحه (٦٦٠) : حدثني زهير بن حرب حدثنا هاشم بن القاسم حدثنا سليمان عن ثابت عن أنس قال : دخل النبي صلى الله عليه وسلم علينا وما هو إلا أنا وأمي وأم حرام خالتي ، فقال : قوموا فلأصلي بكم في غير وقت صلاة ، فصلى بنا ، فقال رجل لثابت : أين جعل أنسا منه ؟ قال : جعله على يمينه ، ثم دعا لنا أهل البيت بكل خير من خير الدنيا والآخرة ، فقالت أمي : يا رسول الله خويدمك ادع الله له ، قال : فدعا لي بكل خير ، وكان في آخر ما دعا لي به أن قال : اللّٰهُمَّ أكثر ماله و ولده و بارك له فيه . هذا سياقه في كتاب الصلاة ، وخرجه مسلم بالسند المذكور في فضائل أنس ؛ لكن متنه مختصر ، والمكررات في صحيح مسلم قليلة ، ذكرها شيخنا محمد يونس الجونفوري في تعليقاته المطبوعة على مقدمة صحيح مسلم المطبوعة في المجلد الثالث من اليواقيت الغالية (٣/٣٤٢) .

وقال الإمام أبو داودفي السنن (٢٤٩٣) : حدثنا محمد بن بكار العيشي حدثنا مروان ، ح ، وحدثنا عبد الوهاب بن عبد الرحيم الجوبري الدمشقي المعنى قال : حدثنا مروان أخبرنا هلال بن ميمون الرملي عن

يعلى بن شداد عن أم حرام عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال : المائد في البحر الذي يصيبه القيء له أجر شهيد ، والغرق له أجر شهيدين . هكذا رواه أبوداود مختصرا .

ورواه الإمام الحميدي في مسنده (٣٥٢) والطبراني في الكبير (٢٥/١٣٣) والمزي في تهذيب الكمال (٣٥/٣٤٣) بسياق أتم . قال الحميدي : ثنا مروان بن معاوية قال : ثنا هلال بن ميمون الجهني الرملي عن يعلى بن شداد أبي ثابت عن أم حرام قالت : ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم غزاة البحر للمائد أجر شهيد ، وللغريق أجر شهيدين . قالت : فقلت : يا رسول الله ! ادع الله عز وجل أن يجعلني منهم . قال : اللّٰهُمَّ اجعلها منهم . فغزت البحر فلما خرجت ركبت دابتها فسقطت فماتت .

وقال الإمام أبو داود في السنن (٦٠٨) : حدثنا موسى بن إسماعيل حدثنا حماد أخبرنا ثابت عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل على أم حرام فأتوه بسمن وتمر ، فقال : ردوا هذا في وعائه وهذا في سقائه فإني صائم . ثم قام فصلى بنا ركعتين تطوعا ، فقامت أم سليم وأم حرام خلفنا ، قال ثابت : ولا أعلمه إلا قال : أقامني عن يمينه على بساط .

وقال الإمام مسلم بن الحجاج في الصحيح (٢٠٢٩) : حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة وعمرو الناقد وزهير بن حرب ومحمد بن عبد الله بن نمير واللفظ لزهير ، قالوا : حدثنا سفيان بن عيينة عن الزهري عن أنس قال : قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة وأنا ابن عشر ، ومات وأنا ابن

عشرين ، وكن أمهاتي يحثثنني على خدمته ، فدخل علينا دارنا فحلبنا له من شاة داجن ، وشيب له من بئر في الدار ، فشرب رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فقال له عمر وأبو بكر عن شماله : يا رسول الله ، أعط أبا بكر ، فأعطاه أعرابيا عن يمينه ، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : الأيمن فالأيمن ، انتهى الحديث بلفظ زهير ، ورواهشيخ مسلم الإمامُ ابن أبي شيبة في المصنف (٢٤١٩٥) بألفاظ متقاربة .

وقال الإمام أحمد بن حنبل في المسند (٢١٣٠٩) : حدثني مهدي بن جعفر الرملي ، حدثني ضمرة عن أبي زرعة السيباني عن قنبر حاجب معاوية قال : كان أبو ذر يغلظ لمعاوية ، قال : فشكاه إلى عبادة بن الصامت وإلى أبي الدرداء وإلى عمرو بن العاص وإلى أم حرام ، فقال : إنكم قد صحبتم كما صحب ورأيتم كما رأى ، فإن رأيتم أن تكلموه . ثم أرسل إلى أبي ذر ، فجاء فكلموه ، فقال : أما أنت يا أبا الوليد فقد أسلمت قبلي ، ولك السن والفضل علي ، وقد كنت أرغَب بك عن مثل هذا المجلس . وأما أنت يا أبا الدرداء ، فإن كادت وفاة رسول الله صلى الله عليه و سلم أن تفوتك ، ثم أسلمت ، فكنت من صالحي المسلمين . وأما أنت يا عمرو بن العاص ، فقد جاهدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم . وأما أنت يا أم حرام ، فإنما أنت امرأة ، وعقلك عقل امرأة ، وما أنت وذاك ؟ قال : فقال عبادة : لاجَرَم لا جلستُ مثل هذا المجلس أبدا . هذا الحديث في إسناده ضعف ، وفي بعض ألفاظه نكارة ، والله أعلم .

وقال الإمام أحمد في المسند (١٨٠٤٩) : حدثنا كثير بن مروان أبو محمد سنة إحدى وثمانين ومائة ، حدثنا إبراهيم بن أبي عبلة قال : رأيت عبد الله بن عمرو بن أم حرام الأنصاري وقد صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم القبلتين ، وعليه ثوب خز أغبر ، وأشار إبراهيم بيده إلى منكبيه ، فظن كثير أنه رداء . كثير بن مروان ضعفوه ، كما في الميزان . (٣/٤٠٩)

وقال الإمام ابن ماجه في السنن (٣٤٥٧) : حدثنا إبراهيم بن محمد بن يوسف بن سرح الفريابي قال : حدثنا عمرو بن بكر السكسكي قال : حدثنا إبراهيم بن أبي عبلة قال : سمعت أبا أبي بن أم حرام ، وكان قد صلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم القبلتين يقول : سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : عليكم بالسنى والسنوت ، فإن فيهما شفاء من كل داء إلا السام . قيل : يا رسول الله ، وما السام ؟ قال : الموت . قال عمرو : قال ابن أبي عبلة : السنوت الشبِت ، وقال آخرون : بل هو العسل الذي يكون في زِقاق السمن ، وهو قول الشاعر : هم السمن بالسنوت لا ألسَ فيهم ، وهم يمنعون جارهم أن يتقردا . هذا الحديث صححه الحاكم (٧٤٤٢) ، لكن قال الذهبي : عمرو بن بكر اتهمه ابن حبان ، انتهى .

وقال الإمام أبو نعيم في معرفة الصحابة (٣/١٥٩٠) وحلية الأولياء (٥/٢٤٦) واللفظ للأول : حدثنا سليمان بن أحمد ثنا محمد بن جعفر الرازي ثنا علي بن الجعد ثنا غياث بن إبراهيم ثنا إبراهيم بن أبي عبلة سمعت عبد الله ابن أم حرام الأنصاري يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :

أكرموا الخبز فإن الله أنزل لكم به بركات السموات والأرض. وخرجه ابن قانع في معجم الصحابة (٢/١٠٧) وتمام في فوائده (٨٤٢) والطبراني في مسند الشاميين (١٥) والعقيلي في الضعفاء الكبير (٣/٢٧) وابن حبان في المجروحين (٢/١٣٤) والخطيب في تاريخه (١٤/٢٧٦). قال أبونعيم في الحلية: وأبو العباس أراه غياث بن إبراهيم، انتهى. وقال العقيلي في ترجمته: قال يحيى بن معين: أول هذا الحديث حق وآخره باطل. حدثنا عبد الله بن أحمد بن موسى قال: سمعت عمرو بن علي قال: عبد الملك بن عبد الرحمن أبو العباس الشامي كذاب، انتهى. وأورده ابن الجوزي في الموضوعات (٢/٢٩٠). لكن روى الحاكم (٧١٤٥) عن عائشة مرفوعا: أكرموا الخبز وإن كرامة الخبز أن لا ينتظر به، صححه الحاكم وأقره الذهبي. قال ابن القيم في زاد المعاد (٤/٢٧٩): الموقوف أشبه، فلا يثبت رفعه، انتهى.

وقال الحافظ ابن حجر: هذا شاهد صالح، حكاه السخاوي في المقاصد (ص:١٤٤) واستأنس به على عدم الحكم بالوضع، كما استأنس به السيوطي في اللآلئ (٢/١٨٢) وتبعهما الفتني في تذكرة الموضوعات (ص:١٤٤) وعلي القاري في الأسرار المرفوعة (ص:١٠٦) وغيرهما.

وقال ابن أبي عاصم في الآحاد والمثاني (٧٤٥ و ٩١٤): حدثنا الحَوطي نا محمد بن حِمير نا إبراهيم بن أبي عبلة قال: رأيت من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم عبد الله بن عمر وعبد الله بن عمرو ابن أم حرام وواثلة بن الأسقع رضي الله عنهم يَقمون شواربهم ولا يُحفون حتى

تبدو الجلدةُ قَما حسنا يكشِفون الشَفَة . هذا حديث صحيح ، محمد بن حمير وإبراهيم من رجال البخاري ، وعبد الوهاب بن نجدة الحوطي ثقة كما في التقريب (ص:٣٦٨).

وقال الإمام أحمد في المسند (٢٣٨٥٢ و ٢٢٦٨١) : حدثنا محمد بن جعفر وحجاج قالا : حدثنا شعبة عن منصور عن هلال بن يساف عن أبي المثنى عن أبي أبي ابن امرأة عبادة بن الصامت – قال حجاج : عن ابن امرأة عبادة بن الصامت – عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : سيكون أمراء يَشغلهم أشياء ويؤخرون الصلاة عن وقتها ، فصلوا الصلاة لوقتها ، ثم اجعلوا صلاتكم معهم تطوعا . هذا حديث صحيح لغيره وسنده ضعيف . قال ابن عبد البر في الاستذكار (١/٧٩) : أبو أبي بن أم حرام ربيب عبادة له صحبة ، انتهى .

وأما الفصل الثاني في أحوالها ووفاتها بقبرس

فقال ابن سعد في الطبقات (٨/٣١٩) : أم حرام بنت ملحانبن خالد بن زيد بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بنعدي بن النجار . وأمها مليكة بنت مالك بن عدي بن زيد مناة بن عدي بن عمرو بن مالك بن النجار . تزوجها عبادة بن الصامت بن قيس بن أصرم بن فهر بن ثعلبة بن غنم بن عوف بن عمرو بن عوف بن الخزرج فولدت له محمدا . ثم خلف عليها عمرو بن قيس بن زيد بن سواد بن مالك بن غنم بن مالك بن النجار ، فولدت له قيسا وعبد الله . وأسلمت أم حرام وبايعت رسول الله

صلى الله عليه وسلم، انتهى.

وقال خليفة بن خياط في تاريخه (ص:١٦٠) في حوادث سنة ثمان وعشرين : وفيها غزا معاوية البحر ومعه امرأته فاختة بنت قرظة من بني عبد مناف ، ومعه عبادة بن الصامت ومعه امرأته أم حرام بنت ملحان الأنصارية ، فأتى قبرس ، فتوفيت أم حرام فقبرها هناك ، انتهى.

وقال ابن حبان في الثقات (٢/٢٤٨) : وغزا معاوية البحر ومعه عبادة بن الصامت معه امرأته أم حرام بنت ملحان الأنصارية ، فأتى قبرس ، فتوفيت أم حرام بها وقبرها هناك ، انتهى.

وقال الإمام المحدث هشام بن الغاز : قبر أم حرام بنت ملحان بقبرس ، وهم يقولون : هذا قبر المرأة الصالحة ، رواه الطبراني في الكبير (٢٥/١٣٠) وأبو نعيم في الحلية (٢/٦٢) وابن عساكر (٧٠/٢١٨).

وقال المحدث هشام بن عمار : رأيت قبرها ووقفت عليه بالساحل بقاقيس ، رواه أبو نعيم في الحلية (٢/٦٢) وابن عساكر (٧٠/٢١٠).

وقال حافظ الدنيا الإمام الذهبي في السير (٢/٣١٧) : وبلغني أن قبرها تزوره الفرنج ، انتهى.

وقال أبو نعيم في معرفة الصحابة (٦/٣٤٧٩) : أم حرام بنت ملحان الأنصارية خالة أنس بن مالك ، كانت تحت عبادة بن الصامت ، وخرجت معه في بعض غزوات البحر ، وماتت بالشام ، وقبرت بقبرس ، وقصتها بغلتها فماتت ، وأهل الشام يستسقون بها يقولون : قبر المرأة

الصالحة، قيل: اسمها الرميصاء، وقيل: الغميصاء أيضا، روى عنها أنس بن مالك وعبادة بن الصامت وعمرو بن الأسود ويعلى بن شداد، انتهى.

وقال ابن عبد البر في الاستيعاب (٤/١٩٣١): أم حرام بنت ملحان بن خالد بن زيد بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدي بن النجار، زوج عبادة بن الصامت، وأخت أم سليم، وخالة أنس ابن مالك، لا أقف لها على اسم صحيح ، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرمها ويزورها في بيتها ويقيل عندها، ودعا لها بالشهادة، فخرجت مع زوجها عبادة غازية في البحر، فلما وصلوا إلى جزيرة قبرص خرجت من البحر فقربت إليها دابة لتركبها فصرعتها فماتت ودفنت في موضعها، وذلك في إمارة معاوية وخلافة عثمان. ويقال: إن معاوية غزا تلك الغزاةبنفسه ومعه أيضا امرأته فاختة بنت قرظة من بني نوفل بن عبد مناف، انتهى.

وقال الحافظ ابن كثير في تاريخه (٧/١٥٣) في حوادث سنة ثمان وعشرين: فيها ذكر ابن جرير فتح قبرس تبعا للواقدي، وهي جزيرة غربي بلاد الشام في البحر، مخلصة وحدها، ولها ذنب مستطيل إلى نحو الساحل مما يلي دمشق، وغربيها أعرضها، فواكه كثيرة ومعادن، وهي بلد جيد، وكان فتحها على يدي معاوية بن أبي سفيان ركب إليها في جيش كثيف من المسلمين ومعه عبادة بن الصامت وزوجته أم حرام بنت ملحان التي تقدم حديثها في ذلك حين نام رسول الله صلى الله عليه وسلم في بيتها ثم استيقظ يضحك فقالت: ما أضحكك يا رسول الله؟ فقال: ناس من أمتي

عرضوا علي يركبون ثبج هذا البحر مثل الملوك على الأسرةس. فقالت : يا رسول ! ادع اللهسأن يجعلني منهم . فقال : أنت منهم . ثم نام فاستيقظ وهو يضحك فقال مثل ذلك . فقالت : ادع الله أن يجعلني منهم . فقال : أنت من الأولين .

فكانت في هذه الغزوة وماتت بها وكانت الثانية عبارة عن غزوة قسطنطينية بعد هذا كما سنذكره .

و المقصودأن معاوية ركب البحر فيمراكب فقصد الجزيرة المعروفة بقبرص ومعه جيش عظيم من المسلمين ، وذلك بأمر عثمان بن عفان رضي الله عنه له في ذلك بعد سؤاله إياه ، وقد كان سأل في ذلك عمر بن الخطاب فأبى أن يمكنه من حمل المسلمين على هذا الخلق العظيم الذي لو اضطرب لهلكوا عن آخرهم ، فلما كان عثمان ألحّ معاوية عليه في ذلك فأذن له فركب في المراكب فانتهى إليها ، ووافاه عبد الله بن سعد بن أبي سرح إليها من الجانب الآخر ، فالتقيا على أهلها فقتلوا خلقا كثيرا وسبوا سبايا كثيرة ، وغنمواما لا جزيلا جيدا ، ولما جيء بالأسارى جعل أبو الدرداء يبكي ، فقال له جبير بن نفير : أتبكي وهذا يوم أعز الله فيه الإسلام وأهله ؟ فقال : ويحك إن هذه كانت أمة قاهرة لهم ملك ، فلما ضيعوا أمر الله صيرهم إلى ما ترى ، سلط الله عليهم السبي ، وإذا سلط على قوم السبي فليس لله فيهم حاجة ، وقال : ما أهون العباد على الله تعالى إذا تركوا أمره ؟

ثم صالحهم معاوية[على سبعةآلاف دينار في كل سنة وهادنهم ،

فلما أرادوا الخروج منها قدمت لأم حرام بغلة لتركبها فسقطت عنها فاندقت عنقها فماتت هناك ، فقبرها هنالك يعظمونه ويستسقون به ويقولون : قبر المرأة الصالحة ، انتهى .

وقال ابن بطال في شرح البخاري (٥/١٠) : هذا الحديث من أعلام النبوة ، وذلك أنه أخبر فيه بضروب من الغيب قبل وقوعها ، فمنها جهاد أمته في البحر ، وضحكه دليل على أن الله يفتح لهم ويغنمهم . ومنها الإخبار بصفة أحوالهم في جهادهم ، وهو قوله : يركبون ثبج هذا البحر ملوكا على الأسرة . ومنها قوله لأم حرام : أنت من الأولين ، فكان كذلك ، غزت مع زوجها في أول غزوة كانت إلى الروم في البحر مع معاوية . وفيه : هلكت ، وهذا كله لا يعلم إلا بوحي من الله تعالى على ما أوحى إليه به في نومه . وفيه أن رؤيا الأنبياء وحي . وفيه ضحك المبشر إذا بشر بما يسره كما فعل صلى الله عليه وسلم .

قال المهلب : وفيه فضل معاوية وأن الله قد بشر به نبيه في النوم ، لأنه أول من غزا في البحر وجعل من غزا تحت رايته من الأولين . وذكر أهل السير أن هذه الغزاة كانت في زمن عثمان . قال الزبير بن بكار : ركب معاوية البحر غازيا بالمسلمين في خلافة عثمان إلى قبرس ومعه أم حرام زوجة عبادة ، فركبت بغلتها حين خرجت من السفينة فصرعت فماتت . وقال ابن الكلبي : كانت هذه الغزاة لمعاوية سنة ثمان وعشرين ، انتهى .

فوضح بما تقدم أنها توفيت بقبرس في خلافة عثمان رضي الله

عنه ، وعليه اتفاق أهل السير ، وكان ذلك في سنة ٢٨ ، كذا جزم به خليفة بن خياط وابن الكلبي وابن جرير الطبري والواقدي وابن كثير وابن حجر في الفتح (٦/١٨ و٧٧ و١١/٧٥) ، وحكاه ابن حجر عن ابن أبي حاتم .

وقيل : سنة ٢٧ ، كذا جزم به ابن الأثير في أسد الغابة (٧/٣٠٤) وأقره الحافظ ابن حجر في الإصابة (٨/٨١) ، وحكاه في الفتح (١١/٧٥) عن يعقوب بن سفيان كما سيأتي . ومال الباجي في المنتقى (٣/٢١٣) وابن العربي في المسالك (٥/١٠٥) والقاضي عياض في شرح مسلم (٦/٣٤٠) إلى أن ذلك كان في خلافة معاوية رضي الله عنه ، وعلى هذا أرخ ابن الجوزي في المنتظم (٥/٢٨٨) وفاتها سنة ٥٦ ، وهذا مرجوح ، رده الحافظ ابن كثير في تاريخه (٨/٨١) ، قال : الصحيح الذي لم يذكر العلماء غيره أنها توفيت سنة سبع وعشرين في خلافة عثمان ، انتهى .

وقال ابن عبد البر في التمهيد (١/٢٤٢) : لم يختلف أهل السير فيما علمت أن غزاة معاوية هذه المذكورة في حديث هذا الباب إذ غزت معه أم حرام كانت في خلافة عثمان لا في خلافة معاوية ، انتهى .

وقال الحافظ في الفتح (١١/٧٥) : كان في سنة ثمان وعشرين وكان ذلك في خلافة عثمان ومعاوية يومئذ أمير الشام ، وظاهر سياق الخبر يوهم أن ذلك كان في خلافته وليس كذلك ، وقد اغتر بظاهره بعض الناس فوهم ، فإن القصة إنما وردت في حق أول من يغزو في البحر . وقال : وأرخها في سنة ثمان وعشرين غير واحد ، وبه جزم ابن أبي حاتم ، وأرخها يعقوب

بن سفيان في المحرم سنة سبع وعشرين . وقال : وأخرج الطبري من طريق أبي معشر المدني أن ذلك كان في سنة ثلاث وثلاثين ، فتحصلنا على ثلاثة أقوال ، والأول - يعني سنة ٢٨ه -أصح ، وكلها في خلافة عثمان أيضا ، لأنه قتل في آخر سنة خمس وثلاثين ، انتهى كلام الحافظ . ويؤيده أن عبد الله بن سعد بن أبي سرح توفي سنة ست وثلاثين أو سبع وثلاثين ، كما في الاستيعاب (٣/٩٢٠) وأسد الغابة (٣/٢٦٠) والسير (٣/٣٣) ، كما أن أبا الدرداء توفي في خلافة عثمان على الأصح ، كذا في الإصابة (٤/٦٢٢) .

وقال ياقوت الحموي في معجم البلدان (٤/٣٠٥) : قبرس بضم أوله وسكون ثانيه ثم ضم الراء وسين مهملة ، كلمة رومية وافقت من العربية القبرس النُحاس الجيد . عن أبي منصور : وهي جزيرة في بحر الروم وبأيديهم دورها مسيرة ستة عشر يوما . وذكر بطليموس في كتاب ملحمة الأرض قال : مدينة قبرس طولها إحدى وستون درجة وخمس عشرة دقيقة ، وعرضها خمس وثلاثون درجة وثلاث عشرة دقيقة ، في الإقليم الرابع ، طالِعها القوس ، لها شركة في قلب العقرب أربع درج تحت إحدى عشرة درجة من السرطان وسبع وخمسين دقيقة ، يقابلها إحدى عشرة درجة وسبع وخمسون دقيقة من الجَدي ، رابعها مثل ذلك من الميزان ، بيت ملكها مثل ذلك من الحمل ، انتهى .

وأما ذهاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلي بيت أم حرام رضي الله عنها وتفليتها رأسه :

(١) فقيل : كانت خالته من الرضاعة ، ذكره ابن بطال (٥/١٠) في شرح البخاري عن المهلب ، وابنُ عبد البر في التمهيد (١/٢٢٦) عن ابن وهب ، وبه قال أبو القاسم بن الجوهري والداودي كما في الفتح (١١/٧٨) ، وقدمه ابن العربي في المسالك (٥/١٠٠) .

(٢)وقيل : إنما كانت خالة لأبيه أو لجده ، لأن أم عبد المطلب كانت من بني النجار ، ذكره ابن بطال ثاني الجوابين ، وحكاه ابن عبد البر في التمهيد (١/٢٢٦) عن يحي بن إبراهيم بن مزين ، ثم قال : أي ذلك كان فأم حرام محرم من رسول الله صلى الله عليه وسلم ، انتهى . وقال النووي في شرح مسلم (١٣/٥٧) : اتفق العلماء على أنها كانت محرما له صلى الله عليه وسلم ، انتهى .

(٣)وقيل : كانت الخلوة بالأجنبية من خصائصه لأنه كان معصوما.

(٤)وقيل : كان قبل نزول الحجاب . ذكرهما ابن العربي في المسالك (٥/١٠٠) محتملا ، وذكر ابن قدامة في المغني (٩/٢٠٠) ثانيهما محتملا . وجزم ابن حجر بأولهما ، قال في الفتح (٩/٢٠٣) : الذي وضح لنا بالأدلة القوية أن من خصائص النبي صلى الله عليه وسلم جواز الخلوة بالأجنبية والنظر إليها ، وهو الجواب الصحيح عن قصة أم حرام بنت ملحان في دخوله عليها ونومه عندها وتفليتها رأسه ولم يكن بينهما محرمية ولا زوجية ، انتهى . وقال في موضع آخر (١١/٧٨) : رد بأن ذلك كان بعد الحجاب جزما ، وقد قدمت في أول الكلام على شرحه أن ذلك كان بعد حجة الوداع .

ورد عياض الأول بأن الخصائص لا تثبت بالاحتمال ، وثبوت العصمة مسلم لكن الأصل عدم الخصوصية وجواز الاقتداء به في أفعاله حتى يقوم على الخصوصية دليل .

وبالغ الدمياطي في الرد على من ادعى المحرمية فقال : ذهل كل من زعم أن أم حرام إحدى خالات النبي صلى الله عليه وسلم من الرضاعة أو من النسب ، وكل من أثبت لها خؤلة تقتضي محرمية ، لأن أمهاته من النسب ، واللاتي أرضعنه معلومات ليس فيهن أحد من الأنصار البتة سوى أم عبد المطلب ، وهي سلمى بنت عمرو بن زيد بن لبيد بن خراش بن عامر بن غنم بن عدي بن النجار ، وأم حرام هي بنت ملحان بن خالد بن زيد بن حرام بن جندب بن عامر المذكور ، فلا تجتمع أم حرام وسلمى إلا في عامر بن غنم جدهما الأعلى ، وهذه خؤلة لا تثبت بها محرمية لأنها خؤلة مجازية ، وهي كقوله صلى الله عليه وسلم لسعد بن أبي وقاص : هذا خالي لكونه من بني زهرة ، وهم أقارب أمه آمنة ، وليس سعد أخا لآمنة لا من النسب ولا من الرضاعة . ثم قال : وإذا تقرر هذا فقد ثبت في الصحيح أنه صلى الله عليه وسلم كان لا يدخل على أحد من النساء إلا على أزواجه إلا على أم سليم ، فقيل له ، فقال : أرحمها ، قتل أخوها معي يعني حرام بن ملحان ، وكان قد قتل يوم بئر معونة .

ثم قال الدمياطي : على أنه ليسفي الحديث ما يدل على الخلوة بأم حرام ، ولعل ذلك كان مع ولد أو خادم أو زوج أو تابع . قلت : وهو احتمال

قوي لكنه لا يدفع الإشكال من أصله لبقاء الملامسة في تفلية الرأس ، وكذا النوم في الحجر . وأحسن الأجوبة دعوى الخصوصية ، ولا يردها كونها لا تثبت إلا بدليل لأن الدليل على ذلك واضح ، انتهى بحذف يسير .

قال مقيده يوسف شبير أحمد البريطاني عفا الله عنه : هذا آخر الجزء ، وكان الفراغ منه في اليوم الخامس من شهر ذي القعدة سنة ١٤٤٠ه قبل سفرنا إلى مالطا وقبرس مع شيخنا شيخ الإسلام العلامة محمد تقي العثماني نفعنا الله بعلومه ، وأضفت إليه إضافات يسيرة بعد رجوعنا من السفر ، والحمد لله أولا وآخرا ، وصلى الله وسلم على سيدنا محمد وآله وصحبه أجمعين .

۞۞۞

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی احادیث اور ان کی قبرص میں وفات کے متعلق مختصر رسالہ کا اردو ترجمہ

مفتی یوسف شبیر صاحب نے اس کو جمع کیا ہے

مفتی محمود صاحب بارڈولی کے زیرِ نگرانی اردو ترجمہ: مولانا اسحاق صاحب گودھروی نے کیا ہے۔

اس میں سے پہلی فصل قبرص میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی قبر کے قریب مسجد میں شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے سامنے پڑھی گئی اور پھر حضرت مفتی صاحب نے اس پر عربی میں تقریظ لکھی جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی تقریظ

اللہ تعالیٰ نے چند اہلِ علم و دین ۔جن کے اسمائے گرامی اخیر میں مذکور ہیں۔ کی صحبت ومعیت میں مقامِ قبرص کی زیارت کی سعادت بخشی۔

قبرص ہی وہ پہلا جزیرہ ہے جہاں مسلمانوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اجازت چاہنے پر غزوہ کیا۔

یہی وہ غزوہ ہے جس کی بشارت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کو دی تھی؛ چنانچہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اس غزوے میں مجاہدین کے ساتھ شریک ہوئیں، قبرص جزیرے میں اپنی سواری سے گر گئیں اور ان کی وفات ہوگئی اور وہیں پر ان کو دفن کیا گیا۔

آج ہم نے اس مسجد کی زیارت کی جو حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس واقع ہے، نیز حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی قبر کی طرف چہرہ کرکے سلام پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

اور میرے سامنے متعدد علمائے کرام نے نوجوان عالم مولانا یوسف شبیر صاحب حفظہ اللہ کی تالیف پڑھ کر سنائی جس میں انھوں نے محدثین اور مؤرخین کے اقوال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے متعلق احادیث اور تاریخی روایات جمع کی ہیں؛ چنانچہ ہم نے حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک کے پاس واقع مسجد کی زیارت میں اس تصنیف سے بہت فائدہ اٹھایا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم تمام کو جہاد فی سبیل اللہ کی توفیق عطا فرمائے اور

ایک مردِ مجاہد کی طرح زندہ رکھے اور شہید کی موت عطا فرماوے اور بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔

اس مجلس کے شرکا کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

① (حضرت مولانا مفتی) محمد تقی العثمانی۔

② یوسف شبیر احمد۔

③ عمر فاروق پانڈور۔

④ عبدالحق ڈاٹا۔

⑤ سلیم محمد۔

⑥ طلحہ ڈاٹا۔

⑦ فرید ٹیمول۔

⑧ عبدالعزیز۔

⑨ محمد ابوالنور۔

⑩ محمد حنیف۔

⑪ شاکر چکھورا۔

⑫ محمد ابن آدم۔

⑬ رفیق صوفی۔

⑭ احمد حسن۔

(حضرت مولانا مفتی) محمد تقی عثمانی (صاحب)، لارنیکا

۸/ذوالقعدہ ۱۴۴۰ھ، مطابق: ۱۱/جولائی ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين ، والعاقبة للمتقين ، و الصلاة و السلام على سيدنا محمد خاتم النبيين ، و على اٰله و صحبه أجمعين ، أما بعد:

یہ مختصر رسالہ (کتابچہ) ہے حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کی احادیث اور ان کی حالاتِ زندگی کے متعلق جو کہ ایک نیک، مجاہدہ، شہیدہ، صحابیہ ہیں، اس رسالے کو میں نے دو فصلوں پر مرتب کیا ہے، پہلی فصل میں وہ احادیث ہیں جو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں یا جن احادیث میں ان کا یا ان کے بیٹے (عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ) کا ذکر ہے، دوسری فصل میں ان کے حالاتِ زندگی کا تذکرہ اور مقامِ قبرص میں وفات کے متعلق ذکر ہے۔

پہلی فصل

اسحاق بن عبداللہ ابی طلحہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانا کھلاتی تھیں، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ایک دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانا پیش کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر میں جوئیں تلاش کرنے لگیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو گئے، پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کس بات

پر ہنس رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے اس سمندر کی پشت پر بادشاہوں کی طرح تخت پر سوار ہوں گے۔

(حدیث میں ''ملوکا علی الاسرۃ'' کا لفظ ہے یا ''مثل الملوك علی الاسرۃ'' ہے، راوی اسحاق بن عبداللہ کو اس میں شک ہے)

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ میرے لیے دعا کیجیے کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوجاؤں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے لیے دعا فرمائی۔ پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ اپنا سر رکھ کر سو گئے، پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ (حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے والے قول کی طرح فرمایا کہ: میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوں گے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ میرے لیے دعا کیجیے کہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم پہلی فوج میں شامل ہوں گی (جو بحری راستے سے جہاد کریں گے) چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سمندری جہاد پر گئیں، واپسی میں سواری سے گر پڑی اور شہید ہوگئیں۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۲۷۸۸)

امام ابوداؤدؒ نے سنن میں یہ روایت نقل کرکے لکھا ہے: اور مقامِ قبرص میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر: ۲۴۹۱)

امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اسی طرح لکھا ہے۔ (ابن حبان، حدیث نمبر: ۴۶۰۸)

اور امام بخاریؒ نے حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے متعلق ایک روایت نقل کی ہے جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے، اس روایت میں ہے کہ واپسی میں سوار ہونے کے لیے ان کی سواری کو قریب کیا گیا؛ لیکن وہ گر پڑیں جس سے آپ رضی اللہ عنہا کی گردن ٹوٹ گئی۔ (بخاری حدیث: ۲۸۹۴) اور بخاری شریف کی ایک دوسری روایت میں ہے جہاد سے لوٹتے وقت جب شام کے ساحل پر لشکر اترا تو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے قریب ایک سواری لائی گئی؛ تاکہ وہ اس پر سوار ہو جائیں؛ لیکن جانور نے انھیں گرا دیا اور اسی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ (بخاری شریف حدیث نمبر: ۲۷۹۹)

علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں "فنزلوا الشام" کی تشریح "متوجهين الى ناحية الشام" سے کی ہے؛ یعنی بلادِ شام میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی وفات نہیں ہوئی۔ (عمدۃ القاری، ج: ۱۴، ص: ۹۷)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: محقق بات یہ ہے کہ ابتداءِ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور خواب کا قصہ ام حرام رضی اللہ عنہا کی روایت سے مروی ہے۔ (۱۱/۷۲)

امام بخاریؒ نے اپنی سند سے روایت بیان کی کہ عمیر بن اسود عنسی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ حمص کے ساحل پر اپنے مکان میں تھے اور آپ کے ساتھ (آپ کی اہلیہ) حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ (راوی) عمیر فرماتے ہیں: ہمیں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے روایت بیان کی کہ: میں (ام حرام) نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو دریائی سفر کر کے جہاد کرے گا اس نے (اپنے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت

اور جنت) واجب کرلی۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! تم بھی ان کے ساتھ ہوں گی، پھر حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلا لشکر میری امت کا جو قیصر (رومیوں کے بادشاہوں) کے شہر (قسطنطنیہ) پر چڑھائی کرے گا ان کی مغفرت ہوگی۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں بھی ان کے ساتھ ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ (بخاری حدیث نمبر: ۲۹۲۴)

ابن ابی عاصم کی ''الآحاد والمثاني'' میں یہ اضافہ ہے: (راوی حدیث) ثور (بن یزید) نے کہا: میں نے انھیں (یعنی خالد بن معدان) یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا اس حال میں کہ وہ دریا میں تھے۔

جامع یوسف شبیر عرض کرتا ہے کہ: اس سے دریا میں حدیث روایت کرنا معلوم ہوا۔ (الحمد للہ!) ۶/ذی قعدہ ۱۴۴۰ھ کو بندے نے یہ حدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی کو جزیرۂ مالٹا اور گوزو کے درمیان دریا میں سنائی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے، وہاں میں، میری والدہ اور میری خالہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے سوا کوئی نہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آؤ! میں تم کو نماز پڑھاؤں اور وہ وقت کسی فرض نماز کا نہ تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔ (اس قصہ کو سن کر) ایک آدمی نے حضرت ثابت رحمہ اللہ سے (جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں) پوچھا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو نماز میں کہاں کھڑا کیا تھا؟ تو انھوں نے جواب دیا: اپنی دائیں جانب (کھڑا کیا تھا)،

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سب گھر والوں کے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کی دعا فرمائی ①۔ اس کے بعد میری والدہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ (انس بن مالک) آپ کا چھوٹا سا خادم ہے، اس کے لیے (خاص) دعا فرما دیجیے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے حق میں ساری بھلائیوں کی دعا فرمائی اور سب سے آخری دعا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دی وہ یہ تھی کہ: اے اللہ! اس کا مال واولاد زیادہ کرنا اور ان میں برکت دیجیو! (مسلم شریف: ٦٦٠)

امام مسلمؒ نے اسی سند سے فضائلِ انس میں اس روایت کو مختصراً نقل کیا ہے، ویسے صحیح مسلم میں مکرر روایات بہت کم ہیں، تفصیل کے لیے دیکھیے ''الیواقیت الغالیہ'' للشیخ محمد یونسؒ۔ (۳/ ۳۴۲)

حضرت یعلیٰ بن شدادؒ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سمندر میں سوار ہونے سے جس کا سر گھومے اور اسے قے آئے تو اس کے لیے ایک شہید کا ثواب ہے اور جو ڈوب جائے تو اس کے لیے دو شہیدوں کا ثواب ہے۔ (ابوداؤد حدیث نمبر: ۲۴۹۳)

اسی طرح امام ابوداؤدؒ نے اختصار کے ساتھ روایت بیان کی ہے۔ اور مسندِ حمیدی (۳۵۲)، المعجم الکبیر (۲۵/ ۱۳۳)اور تہذیب الکمال (۳۵/ ۳۴۳) میں مطولاً یہ روایت منقول ہے۔

---

① اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی دعوت کے لیے گھر پر بلائے تو اس کے گھر پر دنیا وآخرت کی برکت کی دعا دینا چاہیے۔ (از مرتب)

امام حمیدیؒ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمندر میں جہاد کرنے والوں کا ذکر کیا: سمندر میں سوار ہونے کی وجہ سے سر گھومنے والے یا قے ہونے والے شخص کو ایک شہید کا ثواب ہے اور ڈوب جانے والے کو دو شہیدوں کا ثواب ہے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ میں ان میں سے ہو جاؤں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ! اس (ام حرام) کو اس جماعت میں سے بنا دے۔ چنانچہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے سمندری جہاد کیا۔ (واپسی میں) جب سواری پر سوار ہوئیں تو گر گئیں جس کی وجہ سے ان کی وفات ہوگئی۔ (مسندِ حمیدی، حدیث نمبر: ۳۵۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ایک مرتبہ) حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گھی اور کھجور پیش کیا گیا①، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھی اور کھجور ان کے برتن میں رکھ دو ؛ کیوں کہ میں روزہ سے ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر ہم کو دو رکعت نفل نماز پڑھائی، (نماز میں ام سلیم اور ام حرام رضی اللہ عنہما بھی شریک تھیں) حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا ہمارے پیچھے کھڑی تھیں۔ حضرت ثابتؒ (حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد) فرماتے ہیں: مجھے پکا یاد ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: مجھے چٹائی پر دائیں جانب کھڑا کیا تھا۔ (سننِ ابوداؤد: ۶۰۸)

① معلوم ہوا کہ مہمان کے سامنے گھی اور کھجور جیسی مقوّی غذا پیش کرنی چاہیے۔ (از: مرتب)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور میری عمر دس سال کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے جب میری عمر بیس سال تھی، اور میری امہات (یعنی والدہ ام سلیم، خالہ ام حرام اور دیگر گھر کی عورتیں) والدہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرنے کی ترغیب دیتی تھیں۔ (ایک موقع سے) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک پالی ہوئی بکری کا دودھ دوہا اور گھر کے کنویں کا پانی اس میں ملا لیا گیا①، چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: یا رسول اللہ! ابوبکر کو عطا فرمائیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دیہاتی کو عطا فرمایا جو کہ آپ کی دائیں طرف تھا اور فرمایا: دائیں جانب مقدم ہے پھر اس کے بائیں جانب۔ (مسلم شریف، حدیث نمبر: ۲۰۲۹)

امام مسلم کے استاذ امام ابن ابی شیبہ نے قریب قریب ان ہی الفاظ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۱۹۵)

ابو زرعہ السیبانیؒ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربان قنبر سے روایت کرتے ہیں کہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے تھوڑا سخت رویہ اختیار کرتے تھے، راوی فرماتے ہیں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حِلم اور بردباری کی وجہ سے) اس کی شکایت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے کی۔

---

① اس سے مہمان کے سامنے دودھ میں پانی ملا کر پیش کرنا ثابت ہوا؛ لہذا یہ کوئی معیوب چیز نہیں ہے۔ (از: مرتب)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان حضرات سے فرمایا کہ: دیکھیے! جیسے انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت پائی ہے ویسے ہی آپ لوگوں نے پائی ہے، جس طرح ان کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے کا شرف حاصل ہے ویسے ہی تمھیں بھی حاصل ہے، اگر آپ لوگ مناسب سمجھوتو ذراان سے اس بارے میں بات کرلیں!

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا؛ لہٰذا حضرت ابو ذرغفاری رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان چاروں حضرات نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: دیکھیے ابوالولید! (یہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) جہاں تک آپ کی بات ہے آپ مجھ سے پہلے مسلمان ہوئے، نیز آپ مجھ سے علم وعمر میں بڑے بھی ہیں، میں سمجھتا تھا کہ آپ جیسا آدمی اس طرح کے مشورے سے دور رہے گا، (پھر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوے اور فرمایا:) دیکھو ابو درداء! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے کچھ زمانہ پہلے ہی اسلام لائے ہیں، پھر آپ ایک اچھے مسلمان بن کر رہے ہیں، (لہذا آپ کو اس سے کیا لینا دینا؟ اور پھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:) اور جہاں تک عمرو! آپ ہیں تو آپ نے تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا تھا، (پھر حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ:) اے ام حرام: تم عورت ہواور تمھارے پاس اتنی ہی (آدھی) عقل ہے جتنی کہ عورت کو دی گئی ہے؛ اس لیے تم کو اس سے کیا لینا دینا؟

اِس واقعہ کے بعد حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے حیرت انگیز استغنا سے اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں) نے فرمایا: خدا نہ کرے کہ آئندہ کبھی ایسی مجلس میں شریک ہوؤں۔ (مسند احمد بن حنبل رقم: ۲۱۲۰۶)

اس حدیث کی اسناد میں کلام ہے اور اس کے بعض الفاظ میں نکارت ہے، واللہ اعلم۔

ابراہیم بن ابو عبلہ فرماتے ہے: میں نے ابواُبی بن ام حرام (عبداللہ بن عمرو بن ام حرام انصاری رضی اللہ عنہ) سے سنا، اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے دونوں قبلہ (یعنی مسجدِ اقصیٰ اور کعبہ) کی طرف نماز ادا کی تھی۔

وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''تم سنی اور سنوت'' کو لازم پکڑو؛ کیوں کہ ان میں ''سام'' کے علاوہ ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! سام کیا ہے؟ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: موت۔

عمرو کہتے ہیں: ابن ابو عبلہ نے کہا: ''سنوت، سویے کو کہتے ہیں''۔

بعض فرماتے ہیں کہ: وہ شہد ہے جو گھی کی مشکوں میں ہوتا ہے۔

شاعر کا یہ شعر ''هم السمن بالسنوت لا ألسَ فيهم، وهم يمنعون جارهم أن يتقردا'' (وہ لوگ ملے ہوئے گھی اور شہد کی طرح ہیں، ان میں خیانت نہیں اور وہ لوگ تو اپنے پڑوسی کو بھی دھوکا دینے سے بھی منع کرتے ہیں) (ابن ماجہ: ۳۴۵۷)

امام حاکم نے مستدرک (۷۴۴۲) میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے؛ لیکن حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: عمرو بن بکر کو ابن حبان نے متہم بالکذب سے موصوف کیا ہے۔

ابراہیم بن ابو عبلہ فرماتے ہیں: میں نے عبداللہ ابن ام حرام انصاری رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہوئے سنا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: روٹی کا اکرام کرو؛ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین وآسمان کی برکات اس کے ساتھ تمھارے لیے اُتارا ہے۔

(معرفۃ الصحابہ صفحہ نمبر: ۱۵۹۰، جلد نمبر: ۳) (حلیۃ الاولیاء ص: ۲۴۶، جلد: ۵)

علامہ ابن جوزیؒ کے نزدیک یہ روایت موضوع ہے؛ لیکن علامہ سیوطیؒ، علامہ سخاویؒ وغیرہ محققین کے نزدیک یہ روایت موضوع نہیں ہے۔

ابراہیم ابن عبلہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن ام حرام، واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ اپنی مونچھ کو اچھی طرح سے کترواتے تھے کہ ہونٹ صاف نظر آئے اور مونڈتے نہیں تھے کہ چمڑی صاف نظر آجائے، یہ روایت صحیح ہے۔ (الآحاد والمثانی: ۵۴۷، و: ۹۱۴)

حضرت حجاج حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے بیٹے (عبداللہ ابن عمرو بن ام حرام رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ: حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (مستقبل میں) کچھ امراء ایسے آئیں گے جن کو کچھ چیزیں مشغول کردے گی اور وہ نماز کو اپنے وقت سے تاخیر کر کے پڑھیں گے؛ لہٰذا تم نماز کو اپنے وقت میں پڑھ لینا پھر (نماز کے وقت میں) اپنی نماز ان کے ساتھ نفل کی نیت سے پڑھنا۔ (مسند احمد حدیث: ۲۳۸۵۲، ۲۲۶۸۱)

یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے اور اس کی سند ضعیف ہے، حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ: ابوابی ابن ام حرام (یعنی عبداللہ بن عمرو بن ام حرام) یہ صحابی ہے۔

دوسری فصل: حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے حالاتِ زندگی اور مقامِ قبرس میں وفات کے متعلق

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا نسب مبارک: ام حرام بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔

آپ کی والدہ کا نسب نامہ: ملیکہ بنت مالک بن عدی بن زید مناۃ بن عدی

بن عمرو بن مالک بن النجار۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ہوا، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا نسب نامہ: عبادہ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم بن عوف بن عمرو بن عوف بن الخزرج۔

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے ان کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمد رکھا گیا، پھر حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دوسرا نکاح حضرت عمرو بن قیس رضی اللہ عنہ سے ہوا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا نسب نامہ: عمرو بن قیس بن زید بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن النجار۔

پھر ان کے دو لڑکے پیدا ہوئے: قیس اور عبداللہ، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوگئی۔ (از طبقات ابن سعد: ۸/ ۳۱۹)

خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں سن ہجری ۲۸ کے واقعات میں نقل کیا ہے کہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سمندری جہاد کیا، ان کے ساتھ ان کی زوجہ محترمہ فاختہ بنت قرظہ بھی تھی، وہ قبیلۂ بنو عبد مناف کی تھی، اسی جہاد میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھیں، جب قبرس تشریف لائے تو ان کی وفات ہو گئی اور ان کی قبر وہیں پر ہے۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط ص: ۱۶۰)

ابن حبان نے الثقات میں نقل کیا ہے کہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سمندری جہاد کیا اور ان کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ محترمہ ام حرام بنت ملحان انصاریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، جب ان کا گزر مقامِ قبرس پر ہوا تو وہیں پر حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی اور وہیں ان کی قبر ہے۔ (الثقات لابن حبان 2/ 248)

محدث ہشام ابن غاز فرماتے ہیں کہ: حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا کی قبر قبرس میں ہے اور اہلِ قبرس ان کی قبر کے متعلق کہتے ہیں کہ: یہ ایک نیک عورت کی قبر ہے۔(المعجم الکبیر (۲۵/۱۳۰) وحلیة الاولیاء(۲/۶۲) وتاریخ دمشق (۷۰/۲۱۸))

محدث ہشام ابن عمار فرماتے ہیں کہ: میں نے ان کی قبر دیکھی ہے اور میں قاقیس میں سمندر کے کنارے ان کی قبر پر کھڑا رہا۔(حلیة الاولیاء (۲/۶۲) وتاریخ دمشق(۷۰/۲۱۰))

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ: مجھے خبر ملی ہے کہ افرنجی (یعنی انگریز اور یورپ کے لوگ) ان کی قبر دیکھنے آتے ہیں۔(السیر للذھبی:۲/۳۱۷)

امام ابو نعیم معرفة الصحابہ میں فرماتے ہیں کہ: حضرت ام حرام بنت ملحان انصاریہ رضی اللہ عنہا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ساتھ سمندری جہاد میں شریک ہوئیں اور ملکِ شام میں ان کا انتقال ہو گیا اور قبرص میں ان کو دفنایا گیا (جزیرہ قبرص اس وقت شام کا حصہ تھا) ان کے خچر نے ان کو زخمی کر دیا تھا، اسی وجہ سے ان کی وفات ہو گئی، ملکِ شام کے لوگ ان کی قبر کے سامنے آکر کہتے ہیں کہ: یہ ایک نیک عورت کی قبر ہے اور ان کو واسطہ بنا کر بارش طلب کرتے ہیں①۔ بعض لوگوں نے ان کا نام ''رمیصاء'' بیان کیا ہے اور بعضوں نے ''غمیصاء'' بھی بتایا ہے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے صحابۂ کرام میں سے حضرت انس بن مالک، حضرت عمرو بن اسود، حضرت یعلی بن شداد رضی اللہ عنہم ہیں۔(ذکرہ ابو نعیم فی معرفة الصحابہ:۳۴۷۹/۶)

① معلوم ہوا کہ اس طرح نیک لوگوں کو واسطہ بنا کر دعا قبول ہوتی ہے۔

حافظ ابن عبد البرؒ استیعاب میں فرماتے ہیں کہ: حضرت ام حرام بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی بہن اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں، مجھے ان کے صحیح نام کے بارے میں اچھی طرح واقفیت نہیں ہوسکی، حضرت نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا احترام فرماتے، ان کی ملاقات کے لیے ان کے گھر تشریف لے جاتے اوران کے گھر پر قیلولہ بھی فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شہادت کی دعا بھی دی ہے۔

چنانچہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ سمندری جہاد میں شریک ہوئیں، جب مجاہدین قبرص نامی جزیرے پر پہنچے تو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سمندر سے باہر نکلیں، پھر (واپسی میں) جانور کو سوار ہونے کے لیے قریب کیا گیا تو اس جانور نے انھیں پچھاڑ دیا جس کی وجہ سے ان کا انتقال ہوگیا اور وہیں ان کو دفنایا گیا، یہ سمندری جہاد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شام کی قیادت میں ہوا اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بذاتِ خود یہ جہاد کیا ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی زوجۂ محترمہ فاختہ بنت قرظہ بھی شریک تھیں۔ (الاستیعاب لابن عبدالبر: ۱۹۳۱/۴)

حافظ ابن کثیرؒ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ: سن ۲۸ ہجری کے واقعات میں ابن جریر نے واقدی کی اتباع کرتے ہوئے فتحِ قبرص کو بھی شمار کیا ہے۔

قبرص ملکِ شام میں ایک سمندری جزیرہ ہے، اس کی چوڑائی اس سمندر کے

کنارے تک ہے جو دمشق سے قریب ہے، وہاں پر بہت سے میوے اور سونے کی کانیں ہیں، یہ بہت ہی عمدہ شہر ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں یہ فتح ہوا تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہاں پر بہت سے مسلمانوں کے ساتھ آئے تھے، ان کے ساتھ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تشریف لائی تھیں جن کا واقعہ گزر چکا ہے کہ:

حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ اچانک حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے، حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! آپ کس وجہ سے مسکرا رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے چند لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے، وہ سمندر کے بیچ میں اس طرح سوار ہو کر جا رہے ہیں جیسے بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔

حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ دعا فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شریک فرما لے تو حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو بھی ان لوگوں میں شامل ہوں گی، حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر سو گئے، پھر بیدار ہوئے اور اب بھی مسکرا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے جیسی صورتِ حال بیان فرمائی، وا پس انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لیے دعا کر دیجیے کہ اللہ مجھے ان میں شامل فرما دے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پہلی جماعت میں ہے۔ چنانچہ جب یہ غزوہ ہوا تو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اس میں شریک ہوئیں اور اسی میں

شہادت پائی اور یہ دوسری مرتبہ والا خواب اس غزوے کے بعد ہونے والی قسطنطنیہ کی فتح کی پیشین گوئی ہے جس کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔

الغرض! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے چند سواریوں کے ساتھ قبرص نامی جزیرہ کا رخ کیا، آپ کے ساتھ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد تھی اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانہ خلافت میں ہوا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس غزوہ کی اجازت طلب کی تھی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی اجازت طلب کی تھی؛ لیکن انھوں نے ان کو اس وقت انکار کر دیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خوف تھا کہ: اگر وہ ان کو حملہ کرنے پر قدرت دیں گے اور دریا میں اضطراب آیا تو سینکڑوں لوگ مر سکتے ہیں؛ لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے بہت اصرار کیا؛ چنانچہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی اور آپ لشکر کو لے کر روانہ ہوئے اور پہنچ گئے۔

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ دوسری جانب سے آپ کے ساتھ مل گئے؛ چنانچہ دونوں کے لشکروں نے مل کر بہت سے لوگوں کو قتل کیا، کئی لوگوں کو قید کیا اور اچھا خاصا مالِ غنیمت جمع کیا، جب قیدیوں کو لایا گیا تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ رونے لگے، حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا: حضرت! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ یہ تو بہت ہی عزت والا دن ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں اسلام اور مسلمانوں کو عزت عطا فرمائی ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا کہ: یہ ایک طاقتور قوم تھی، ان کا

ایک بادشاہ بھی تھا، جب ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس حالت میں پہنچا دیا جو آپ ابھی دیکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر قید کی سزا کو مسلط کر دیا، جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر قید کی سزا مسلط کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو ان کی ضرورت نہیں رہتی اور مزید فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کتنے ذلیل ہو جاتے ہیں جب وہ اس کے حکموں کو چھوڑ دیتے ہیں!

پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہر سال سات لاکھ دینار وصول کرنے کی شرط پر صلح کی اور جنگ بندی کا اعلان کر دیا، اس جزیرے کو فتح کرنے کے بعد جب مجاہدین نے یہاں سے روانہ ہونے کا فیصلہ کیا تو حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے خچر پیش کیا گیا؛ تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر جائیں تو وہ اس پر سے گر گئیں اور ان کی گردن ٹوٹ گئی اور وہیں پر ان کا انتقال ہو گیا، ان کی تدفین وہیں پر ہوئی، لوگ ان کی قبر کی بہت تعظیم کرتے ہیں، ان کا واسطہ دیکر بارش طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: یہ ایک نیک عورت کی قبر ہے۔ (تاریخ ابن کثیر: ۷/ ۱۵۳)

ابن بطال بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث علاماتِ نبوت میں سے ہیں؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غیبی واقعہ کی اس کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی خبر دے دی، چند باتوں سے اس کا علاماتِ نبوت میں سے ہونا معلوم ہوتا ہے:

① آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کو سمندری جہاد کرنے کی خبر دینا اور آپ کا مسکرانا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دیں گے اور ان کو مالِ غنیمت بھی عطا کریں گے۔

② جنگ کے دوران پیش آنے والے واقعات کی پہلے سے اطلاع دے دینا، مثلاً مجاہدین سمندر کے درمیان میں اس طرح سوار ہوں گے جس طرح باشاہ تخت پر بیٹھتے ہیں۔

③ اسی طرح حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ: تو پہلے لوگوں میں شامل ہوں گی؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا؛ چنانچہ وہ اپنے شوہر کی معیت میں رومیوں کے خلاف سب سے پہلے سمندری جہاد کرنے والوں میں شامل تھیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ہوا تھا اور اسی جنگ میں ان کی شہادت ہوئی، یہ تمام باتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئے بغیر معلوم نہیں ہوسکتی، یہ وحی آپ پر نیند کی حالت میں آئی۔ یہ دلیل ہے کہ انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔

نیز یہ کہ جب کوئی انسان کسی کو خوش خبری سنانا چاہے تو اسے مسکرا کر سنانی چاہیے جیسا کہ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ وسلم نے کیا۔

ابن مہلب کہتے ہیں: اس حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اپنے نبی کو خواب میں بشارت سنائی ہے؛ اس لیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی سب سے پہلے وہ شخص ہے جنھوں نے سمندری جہاد کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو اولین میں سے قرار دیا جنھوں نے آپ کی سرداری میں جہاد فرمایا۔

اہلِ سیر نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ: یہ جہاد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانے میں ہوا۔

زبیر بن بکار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلافت

کے زمانے میں مقامِ قبرص کی جانب مسلمانوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے روانہ ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھیں، غزوہ سے فراغت کے بعد حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کشتی سے باہر نکل کر اپنے خچر پر سوار ہوئی تو خچر نے ان کو پچھاڑ دیا؛ چنانچہ وہیں پر ان کا انتقال ہوگیا۔ ابن کلبی کہتے ہیں کہ: یہ غزوہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سن ۲۸ھ میں ہوا۔ (شرح البخاری لابن بطال: ۱۰/۵)

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوگیا کہ ان کی وفات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانے میں مقامِ قبرص میں ہوئی، اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے اور یہ جہاد سن ہجری ۲۸ میں ہوا، خلیفہ بن خیاط، ابن کلبی، ابن جریر الطبری، علامہ واقدی، ابن کثیر اور علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں یہی سن اختیار کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے ابن ابی حاتم سے یہی قول نقل کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جہاد سن ۲۷ ہجری میں ہوا، یہی علامہ ابن اثیر کی رائے ہے، حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں اسی کو لکھا ہے، اور فتح الباری میں یعقوب ابن سفیان سے یہی نقل کیا ہے، اس کے برخلاف علامہ باجی، علامہ ابن العربی اور قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ: یہ جہاد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا؛ چنانچہ اسی وجہ سے ابن جوزیؒ نے نقل کیا ہے کہ: ان کی وفات سن ہجری ۵۶ میں ہوئی (المنتظم لابن الجوزی: ۲۸۸/۵)

لیکن یہ قول مرجوح ہے، حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں اس کی تردید کی

ہے، فرماتے ہیں: صحیح قول وہی ہے جس کے علاوہ کوئی قول علما نے ذکر نہیں کیا ہے کہ ان کی وفات سن ۲۷ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ: ۸۱/۸)

ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ: میری معلومات کے مطابق اہلِ سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد کرنے والے مجاہدین کا جو تذکرہ ہیں، جن میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بھی شریک تھیں، یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہوا تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں نہیں۔ (التمہید لابن البر ۲۴۱/۱)

حافظ ابن حجرؒ میں فرماتے ہیں کہ: یہ غزوہ سن ۲۸ ھ میں ہوا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانے میں ہوا، اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ملکِ شام کے امیر تھے۔ اس حدیث کی ظاہری الفاظ سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ غزوہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا؛ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بعض لوگوں کو اس کے ظاہری الفاظ سے دھوکا ہوا ہے؛ کیوں کہ حدیث اس شخص کی فضیلت میں وارد ہوئی ہے جو سب سے پہلے سمندری جہاد کرے گا۔ آگے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: اکثر لوگوں کے نزدیک یہ سن ۲۸ ھ میں پیش آیا، ابن ابی حاتم کی بھی یہی رائے ہے اور یعقوب بن سفیان کے نزدیک یہ غزوہ سن ہجری ۲۷ کے ماہِ محرم میں پیش آیا۔ طبری نے نے ابو معشر کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ غزوہ سن 33 میں پیش آیا۔

اب تین اقوال جمع ہو گئے، اور پہلا قول یعنی سن ۲۸ ھ یہ سب سے اصح ہے اور یہ سب اقوال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ہیں؛ کیوں کہ ان کی شہادت سن

35 کے آخری زمانے میں ہوئی تھی۔ (فتح الباری:۱۱/ ۷۵)

اس بات کی مزید تائید اس سے ملتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی وفات سن ۳٦ یا ۳۷ میں ہوئی۔ (الاستیعاب ۳/ ۹۲۰ اسد الغابۃ ۳/ ۲٦۰ السیر ۳/ ۳۳)اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی وفات اصح قول کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی ہے۔ (الاصابۃ:٤/ ٦۲۲)

حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جانا اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا آپ کے سر سے جُو نکالنا تو اس پر اشکالات وارد ہوتے ہیں، علمائے کرام نے اس کے چند جوابات دیے ہیں:

① حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی خالہ تھیں۔ یہ امام مہلب، ابن وہب، علامہ داؤدی وغیرہ کی رائے ہے۔ (شرح البخاری لابن البطال ٥/ ۱۰ التمہید لابن عبد البر ۱/ ۲۲٦ فتح الباری ۱۱/ ۷۸ * المسالک لابن العربی ٥/ ۱۰۰)

② حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد یا دادا کی خالہ ہے؛ کیوں کہ عبد المطلب کی والدہ بنو النجار کی ہے اور علامہ ابن عبد البر اس کو یحیی ابن ابراہیم بن مزین سے نقل کرتے ہیں، پھر تحریر فرماتے ہیں کہ: کچھ بھی سبب ہو بہر صورت حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محرم کا رشتہ ہے۔ (التمہید لابن عبد البر ۱/ ۲۲٦)

اسی طرح علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محرم تھیں۔ (شرح مسلم ۱۳/ ٥۷)

③ اجنبیہ سے خلوت کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جائز تھا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

خصائص میں سے ہیں؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم عن الخطا تھے۔

④ یہ واقعہ فرضیتِ حجاب کی آیت نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ ابن عربی نے ان دونوں کو احتمالاً ذکر کیا ہے۔ (المسالک لابن العربی ۵/ ۱۰۰)

ابن قدامہ نے اس چوتھے قول کو احتمالاً ذکر کیا ہے۔ (المغنی ۹/ ۲۰۰)

حافظ ابن حجرؒ نے بالجزم قولِ ثالث کو اختیار کیا ہے، فرماتے ہیں کہ: دلائلِ قویہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اجنبیہ سے خلوت اور اس کی طرف دیکھنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہیں اور یہی جواب صحیح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے وہاں جانے اور وہاں آرام فرمانے اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر سے جوئیں نکالنے کے متعلق جو کہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محرم ہیں اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں ہیں۔ (فتح الباری ۹/ ۲۰۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک دوسری جگہ پہلے، دوسرے اور تیسرے جواب کی تردید میں فرماتے ہیں کہ: اس کو رد کر دیا گیا ہے؛ اس لیے کہ یہ حجۃ الوداع کے بعد پیش آیا ہے، قاضی عیاضؒ نے خصوصیت والی بات پر رد فرمایا ہے، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ: خصوصیات احتمال سے نہیں؛ بلکہ دلائلِ قویہ سے ثابت ہوتی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معصوم عن الخطاء ہونا یقینی بات ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال میں ہمیں ان کی اتباع کرنے کا حکم ہے؛ لیکن جو بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خاص ہوتی ہے اسے ثابت کرنے کی کے لیے دلائلِ قویہ چاہیے، احتمال سے کوئی خصوصیت ثابت نہیں ہوسکتی۔

علامہ دمیاطی نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جنھوں نے حضرت ام حرام

رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محرم قرار دیا، فرماتے ہیں کہ: ان لوگوں کو ذہول ہوا ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی یا نسبی خالہ ہیں، اور اسی طرح ان لوگوں سے ذہول ہوا ہے جن لوگوں نے ان کے حق میں ایسی رشتے داری ثابت کی ہے جو محرمیت کو مستلزم ہو؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبی اور رضاعی خالائیں جو بھی ہیں ہمیں تمام کا علم ہے، ان عورتوں میں عبد المطلب کی والدہ کے علاوہ کوئی بھی انصاریہ شامل نہیں ہے، عبد المطلب کی والدہ سلمی بنت عمرو بن زید بن لبید بن خراش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار ہے اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا تو ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر کی صاحب زادی ہے تو ام حرام اور سلمٰی کا نسب نہیں ملتا ہے؛ مگر ان کے جدِ اعلی عامر بن غنم پر؛ لہذا یہ ایسی خالہ کی رشتے داری ہے کہ اس سے محرمیت ثابت نہیں ہوتی؛ اس لیے کہ یہ مجازی خالہ ہے۔

اس کی مثال ایک حدیث شریف میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اپنا ماموں قرار دیا؛ اس لیے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ قبیلۂ بنو زہرہ سے تعلق رکھتے ہیں اور قبیلۂ بنو زہرہ والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ محترمہ آمنہ کے رشتے دار ہیں، جب کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضرت آمنہ کے نہ حقیقی بھائی ہے، نہ رضاعی (تو جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مجازاً ماموں کہا، اسی طرح حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا مجازی خالہ ہوئی۔

علامہ دمیاطی آگے تحریر فرماتے ہیں کہ: صحیح حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زوجات کے علاوہ کسی بھی عورت کے گھر تشریف نہیں لے جاتے تھے، ہاں! حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ام حرام

رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جانے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا کہ: مجھے ام سلیم پر رحم آتا ہے؛ کیوں کہ ان کے بھائی (حرام بن ملحان) شہید ہو گئے تھے، ان کی شہادت بیرِ معونہ کے موقع پر ہوئی تھی۔ علامہ دمیاطی مزید فرماتے ہیں کہ: حدیث شریف میں کہیں بھی مذکور نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے تنہائی میں ملاقات کی ہے، ہوسکتا ہے کہ ان کا لڑکا، شوہر، غلام یا کوئی بھی ان کے گھر کا فرد موجود ہو۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: علامہ دمیاطی کی یہ باتیں بہت مضبوط معلوم ہوتی ہیں؛ لیکن پھر بھی اصل اشکال اس سے دور نہیں ہوتا؛ کیوں کہ جُوں نکالنے میں ملامست (ایک کے جسم کا دوسرے کے جسم سے ٹچ ہونا) والا اشکال تو اپنی جگہ برقرار رہتا ہے، سب سے بہترین جواب یہی ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہیں اور خصوصیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا؛ اس بنا پر کہ وہ دلیل سے ثابت نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہاں پر واضح دلائل موجود ہیں۔

اس رسالے کو جمع کرنے والا (مفتی) یوسف شبیر احمد عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ: یہ اس جزء کا آخری حصہ ہے اور اس کو لکھنے سے فراغت ہمارے شیخ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی۔اللہ تعالیٰ ان کے علوم سے ہمیں نفع پہنچائے۔کے ساتھ مالٹا اور قبرص کا سفر کرنے سے پہلے ذی قعدہ ۱۴۴۰ھ جمعرات کے دن ہوئی اور سفر سے واپسی کے بعد میں نے اس میں کچھ اضافے کیے، والحمد لله أولا وآخرا، وصلى الله وسلم على سيدنا محمد وآله وصحبه أجمعين.

❁❁❁

دورانِ سفر حضرت مفتی صاحب سے سبق آموز گفتگو

از: مولانا شاکر صاحب چکھورا

کتاب کی سیٹنگ فائنل ہو چکی تھی اور اب پریس میں جانے والی تھی کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے رفیقِ سفر مولانا شاکر صاحب کا مکمل سفر نامہ جو البلاغ کی چھ قسطوں میں شائع ہوا تھا ہمارے پاس پہنچا تو اس میں سے کچھ اہم اور مفید باتیں البلاغ اور مولانا شاکر صاحب کے شکریہ کے ساتھ یہاں پیش کی جاتی ہیں۔اس سلسلے میں محترم مولانا مفتی یوسف ابن مفتی شبیر صاحب نے حضرت مولانا شاکر صاحب سے باقاعدہ اجازت بھی لیے ہے۔

بائبل کے متعلق اہم بات

سفر کے دوران مولانا یوسف بن شبیر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا سے پوچھا کہ: جو اناجیلِ اربعہ معروف ہیں، کیا یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمودہ انجیل کی محرف شکل ہے؟

آپ نے فرمایا کہ: نہیں! یہ دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں یا ان کے شاگردوں کے وہ محرف مجموعے ہیں جن میں انھوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کی سوانح اور ملفوظات جمع کیے تھے، حضرت والا نے فرمایا کہ: بائبل مکمل طور پر محرف نہیں ہے اور اس میں بعض مقامات میں ایسی نورانیت محسوس ہوتی ہے کہ دل کو لگتا ہے کہ اس میں وحی کی کچھ روشنی ہے۔

سفر برائے دین

اسی طرح اسی سفر کے دوران حضرت والا نے بتایا کہ: حضرت جہاں تشریف لے جاتے ہیں، وہاں کچھ کام کرنے کی کوشش فرماتے ہیں، یوں تو حضرت کا ہر سفر کسی اہم دینی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہوتا ہے، یہاں تک کہ گھر والوں کے ساتھ اگر کوئی تفریحی سفر ہوتا ہے تو اس میں بھی کسی اہم دینی ضرورت کو پورا کرنا پیشِ نظر رہتا ہے، فرمایا کہ: ایک مرتبہ پاکستان کے کسی شمالی علاقے میں گھر والوں کے ساتھ اسی طرح کے سفر کے دوران معلوم ہوا کہ اس علاقے میں کوئی مسجد نہیں، جس پر حضرت نے علاقے کے ذمّے داروں کو مسجد بنانے کی طرف متوجہ فرمایا اور اس کے لیے خود معقول رقم بھی عنایت فرمائی۔

بچوں کی تربیت کی خاطر ہجرت

شیخ بدر نے بڑھتی ہوئی بے حیائی کے ماحول میں جہاں خاص طور پر اپنی اولاد کی تربیت اور حفاظت میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں حضرت والا سے یہ مشورہ لیا کہ کیا انھیں یہاں سے ہجرت کر کے کہیں اور چلے جانا چاہیے؟

حضرت والا نے فرمایا کہ: مسلمان ملک کی طرف ہجرت تو اچھی بات ہے ؛ بشرطیکہ وہاں اپنے دین کا تحفظ ہو سکے جو آج کل متعدد اسلامی ملکوں (جہاں شیخ بدر کے لیے جانا قابلِ عمل ہوسکتا تھا) میں بھی مشکل ہے۔

نیز حضرت نے انھیں اس طرف توجہ دلائی کہ اللہ تعالیٰ ان سے یہاں کے معاشرے میں دین کی کچھ شمع باقی رکھنے کا کام لے رہے ہیں؛ لہٰذا ان کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ یہیں رہ کر ماحول کے برے اثرات سے حتی الامکان اپنے آپ کو اور بچوں کو بچاتے ہوئے دین کی خدمت کریں۔

مالٹا میں اسلامی معاشی نظام کس طرح ہو؟

مالٹا کی سابق صدر میری لوئس صاحبہ سے ملاقات کے دوران اسلامی بینک قائم کرنے کے سلسلے میں انھوں نے پوچھا کہ: وہ کس طرح عمل میں لایا جا سکتا ہے؟

حضرت والا نے فرمایا کہ: اِس ملک میں باقاعدہ اسلامی بینک قائم کرنے میں کچھ دشواریاں ہوسکتی ہیں؛ البتہ یہاں ابتدا میں ایک غیر بنکی مالیاتی کمپنی قائم کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے، اس کے لیے نہ بینکنگ کا لائسنس لینے کی ضرورت، نہ مرکزی بینک کی تمام قیود اس پر لاگو ہوں گی، اگر اس طرح کا ادارہ قائم کرنا ہو تو ہم ان شاء اللہ!

اس میں پورا تعاون کر سکتے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ: میری دلی خواہش ہے کہ مالٹا میں ایک اسلامی مالیاتی ادارہ یا بینک قائم ہو اور مجھے معلوم ہے کہ یہ اسلامی ادارے صرف مسلمانوں کے لیے کارآمد نہیں ہوں گے؛ بلکہ ان کے دروازے تمام لوگوں کے لیے کھلے ہوں گے۔

حضرت نے فرمایا کہ: واقعتاً ایسا ہی ہے اور اس بات کی میں تاکید کرتا ہوں کہ اسلامی بینکاری صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ پوری انسانیت کے لیے یہ ایک نظریہ اور نظامِ اقدار (value system) ہے جو سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کے مابین ہے اور جس کا مقصد متوازن تقسیمِ دولت (equitable distribution of wealth) ہے۔

انھوں نے کہا کہ: مالٹا اس وجہ سے بھی اسلامی مالیاتی ادارے کے لیے موزوں ہے کہ وہ یورپ اور افریقہ کے درمیان واقع ہے، جہاں لاکھوں مسلمان آباد ہیں اور اس لحاظ سے خاصی مرکزیت کا حامل ہے۔

مسز میری لوئس صاحبہ نے حضرت والا کو اگلی مرتبہ وزیرِ خزانہ اور گورنر مرکزی بینک کے ساتھ ملاقات کی درخواست کی تاکہ اسلامی بینک کے قیام میں پیش رفت ہو۔

حضرت والا نے محترمہ لوئس صاحبہ سے اس ضرورت پر زور دیا کہ یہاں کے مسلمانوں کے لیے ایک مستقل مسجد اور سینٹر قائم کیا جائے؛ کیوں کہ حکومت کی طرف سے مستعار ملی ہوئی جگہ کافی نہیں۔

اس پر سابق صدر نے کوشش کرنے کا وعدہ کیا اور حضرت والا نے شیخ بدر سے کہا کہ: وہ اس وعدے کو پورا کرانے کے لیے ان سے مسلسل رابطے میں رہیں۔

اِمدینہ کی قدیم تعمیرات

اِمدینہ کی سیر کے درمیان اس کی تنگ گلیوں کے دائیں بائیں قدیم طرز کی پر شکوہ عمارتوں کی قطاروں، جزیرہ کے دل فریب مناظر، اور ایک خاص قسم کی خاموشی اور سکون نے یہاں ایک بہت ہی پر کیف فضا قائم کی ہوئی تھی۔

یہاں کے مشہور کلیسا ''st.paul's'' کے پاس سے گزرے تو شیخ بدر نے بتایا کہ: اس میں قبلے کے رخ پر ایک محراب کی بگڑی ہوئی تعمیر ہے، جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ کلیسا کسی زمانے میں مسجد تھی۔

جزیرۂ صقلیہ سے گزرتے وقت علامہ اقبال کی دل گداز نظم

ان گلیوں کی سیر میں ہم گویا صدیوں پیچھے چلے گئے، پڑوسی جزیرہ ''صقلیہ'' کی بات چھڑی تو حضرت والا نے اقبال مرحوم کی اس دل گداز نظم کے کئی اشعار سنائے جو انھوں نے اس وقت کہے تھے جب صقلیہ کے قریب سے ان کا جہاز گزر رہا تھا:

رو لے اے دل کھول کر اے دیدۂ خوننابہ بار	وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار
تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی	بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے

اک جہانِ تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور	کھا گئی عصرِ کُہن کو جن کی تیغِ ناصبور
مُردہ عالم زندہ جن کی شورشِ قُم سے ہوا	آدمی آزاد زنجیرِ توَہُّم سے ہوا

غلغلوں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے ؟

آہ اے سسلی ! سمندر کی ہے تجھ سے آبرو	رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو
زیب تیرے خال سے رخسارِ دریا کو رہے	تیری شمعوں سے تسلی بحرِ پیما کو رہے
ہوسبک چشمِ مسافر پر ترا منظر مدام	موج رقصاں تیرے ساحل کی چٹانوں پر مدام
تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گہوارہ تھا	حسنِ عالم سوز جس کا آتش نظارہ تھا
نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر	داغ رویا خون کے آنسو جہان آباد پر
آسماں نے دولتِ غرناطہ جب برباد کی	ابن بدروں کے دلِ ناشاد نے فریاد کی
غم نصیب اقبال کو بخشا گیا ماتم ترا	چن لیا تقدیر نے وہ دل کہ تھا محرم ترا
ہے تیرے آثار میں پوشیدہ کس کی داستاں	تیرے ساحل کی خموشی میں ہے انداز بیاں

درد اپنا مجھ سے کہہ ، میں بھی سراپا درد ہوں
جس کی تو منزل تھا ، میں اس کارواں کی گرد ہوں
رنگ تصویر کہن میں بھر کے دکھادے مجھے
قصہ ایام سلف کا کہہ کے تڑپادے مجھے
میں ترا تحفہ سوئے ہندوستاں لے جاؤں گا
خود یہاں روتا ہوں ، اوروں کو وہاں رلواؤں گا

کام میں محنت اور نتیجہ

مولانا حنیف صاحب نے یہ اہم سوال کیا کہ: اگر کسی کام میں آدمی خوب محنت کرنے کے باوجود نتیجہ سے مایوس ہونے لگے تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟

حضرت والا دامت برکاتہم نے فرمایا کہ: میرے ساتھ بھی تقریباً ہر تصنیف میں ایسا مرحلہ آیا کہ جب طبیعت اس تالیف میں بالکل نہیں لگتی تھی، حضرت نے فرمایا کہ الحمد للہ! ایسے مرحلے پر اپنے بزرگوں سے سیکھے ہوئے اس سبق پر ہمیشہ عمل کی توفیق ہوئی کہ جو وقت اس کام کے لیے مختص کیا ہوا تھا طبیعت پر زبردستی کر کے کام کرنے کی جگہ پر بیٹھ کر لکھنے کی کوشش کرتا اور کچھ ہی دنوں میں یہ کیفیت زائل ہو جاتی اور پھر نشاط اور شرحِ صدر کے ساتھ وہ تالیف جاری رہتی۔

حضرت والا نے حضرت مولانا ز کی کیفی صاحبؒ کا یہ شعر سنایا:

منزل نہ مل سکی نہ ملے کوئی غم نہیں	ہر راہ شوق میں میرا نقش قدم تو ہے

اور حضرت نے اپنا یہ شعر بھی سنایا:

قدم ہوں راہِ الفت میں تو منزل کی ہوس کیسی
یہاں تو عین منزل ہے تھکن سے چور ہو جانا

حضرت والا دامت برکاتہم نے فرمایا کہ: دین کے کسی کام میں اگر اخلاص ہو تو ہر قدم بذاتِ خود منزل ہے، آدمی کو ہر قدم پر اللہ تعالیٰ ہی کی رضا حاصل کرنے کی نیت کرنی چاہیے، یہی راز ہے۔

اگر راستہ درست ہے اور اخلاص ہے تو پھر ہر قدم منزل ہے۔

خطبۂ جمعہ اور عربی زبان

مولانا محمد بن آدم صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے خطبۂ جمعہ کے بارے میں یہ پوچھا کہ: آج کل یورپ وغیرہ میں ایک خطبہ مقامی زبان میں دیا جاتا ہے؛ لیکن دوسرا خطبہ عربی میں تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

حضرت والا نے فرمایا کہ: خطبہ تو ہوجائے گا؛(یعنی ذکر اللہ کا فریضہ ادا ہوجائے گا؛ کیوں کہ جس خطبے کو مقامی زبان میں دیا جاتا ہے اس کے شروع میں بھی خطبہ مسنونہ سے ذکر تو ادا ہوجاتا ہے)لیکن دونوں خطبوں کے درمیان مقامی زبان میں کی گئی تقریر کا فصل ہوگا جو ٹھیک نہیں؛لہذا دونوں خطبوں کو عربی میں ہی ہونا چاہیے، ہاں! مقامی زبان میں دو چار جملوں کی حسبِ تصریح فقہا گنجائش ہے۔

عدالتی طلاق

مولانا یوسف بن شبیر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سے پوچھا کہ: کیا عدالتی طلاق (civil Divorce) طلاقِ بائن شمار ہوتی ہے؟ حضرت نے فرمایا: جی! جب شوہر کی طرف سے درخواست دائر ہوتو یہ طلاقِ بائن شمار ہوگی۔

حنفی فقہ کی کتابیں

مولانا یوسف بن شبیر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سے یہ بھی پوچھا کہ: آپ نے حنفی فقہ کی کن کتابوں سے حضرت والا نے زیادہ فائدہ اٹھایا؟

حضرت والا نے جواب دیا کہ: بدائع الصنائع اور رد المحتار۔

منظوم کلام خراجِ عقیدت

بہ موقع تشریف آوری نمونۂ اسلاف جناب حضرت مولانا مفتی محمود بارڈولی صاحب دامت برکاتہم العالیہ (خلیفہ: حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ)

بہ مقام: مدرسہ تحفیظ القرآن الغزالی، مڈاگاسکر

(ازقلم: قاری ساجد ابن یعقوب پٹیل فلاحی)

شکرِ خدا ہے آج وہ مہمان آگئے	اس ملک میں ہمارے جو محمود آگئے
باغِ رسولِ پاک کے بلبل ہیں خوش نوا	صدق وصفا کے لؤلؤ ومرجان آگئے
شکرِ خدا ہے آج وہ مہمان آگئے	
اورآنکھیں ترس رہی تھی، محبت تھی موج زن	پلکیں بچھاؤ دور سے مہمان آگئے
اس ملک میں ہمارے جو محمود آگئے	شکرِ خدا ہے آج وہ مہمان آگئے
علم وعمل کی خوشبو سے معطر ہے ان کی جان	ہر لمحہ جو ہے دین پے قربان آگئے
اِس دورِ پرفتن میں مسلمان ہیں ذلیل	وہ حق پرست صاحبِ عرفان آگئے
شکرِ خدا ہے آج وہ مہمان آگئے	
دنیا میں ان کی نرمئ گفتار دیکھ لو	تم قدر کر لو صاحبِ ذی شان آگئے
اس ملک میں ہمارے جو محمود آگئے	
رہبر ورہنما ہیں جو دینِ متین کے	حق کے رفیق پیکرِ اخلاص آگئے
سیراب ہورہے ہیں سبھی جن کے فیض سے	فضلِ خدا سے آج غزالی میں آگئے

شکرِ خدا ہے آج وہ مہمان آگئے	اس ملک میں ہمارے جو محمود آگئے
فضلِ خدا سے گھر تیرے محمود آگئے	حاجی رشید ① تم کو دیا رب نے یہ کمال
اس ملک میں ہمارے جو محمود آگئے	
ساجد کی ہے دعا کہ ہو ان کی عمر دراز	لے کے دعا دلوں میں سبھی بندے آگئے
شکرِ خدا ہے آج وہ مہمان آگئے	اس ملک میں ہمارے جو محمود آگئے

نوٹ: ربیع الاول ۱۴ ؁ ۱۴۴۱ھ ریونین، ماڈاگاسکر، موریشش کا سفر ہوا تھا۔

① مراد: حاجی رشید گرڈالا جپور والے۔

مؤلف کی دیگر تالیفات

نمبر شمار	اسمائے کتب	لغت
۱	عرفات کی دعائیں اور اعمال	گجراتی
۲	ظہورِ مہدی	اردو، گجراتی، ہندی، انگریزی
۳	ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے ضروری مسنون دعائیں	گجراتی
۴	خاص خاص فضیلتوں والی مسنون دعائیں	اردو، گجراتی، ہندی، انگریزی
۵	مختصر سیرتِ نبوی ﷺ پہلا حصہ (اسٹوڈنٹس کے لیے)	گجراتی
۶	ہندوستان کی جنگِ آزادی اور جمعیتِ علمائے ہند (زیرِ طبع)	گجراتی
۷	احمدیہ قادیانی جماعت کا تعارف	گجراتی
۸	ترتیبِ مبادیاتِ حدیث	اردو
۹	ماہِ رمضان کو وصول کرنے کا جامع مختصر نسخہ	گجراتی
۱۰	عید الاضحیٰ مسائل و فضائل (پمفلٹ)	گجراتی
۱۱	مرزا غلام احمد قادیانی کی شخصیت کا تعارف	گجراتی
۱۲	مرزا غلام احمد قادیانی کے متضاد دعوے	گجراتی
۱۳	قادیانی غیر مسلم (دیوبندی، بریلوی، غیر مقلد اور جماعتِ اسلامی کے علما کے فتاوی)	گجراتی

۱۴	ختمِ نبوت، قرآن وحدیث کی روشنی میں	گجراتی
۱۵	دیکھی ہوئی دنیا: اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم	اردو، گجراتی
۱۶	خطباتِ محمود (اول تانہم۔ ا سے ۹)	اردو
۱۷	دینی بیانات (اول تاہشتم۔ ا سے ۸)	گجراتی
۱۸	تیسیرالقرآن یعنی آسان ترجمۂ قرآن (دوجلد)	اردو، گجراتی
۱۹	قادیانیت کا تعارف	اردو
۲۰	قرآن میں آئے ہوئے خواتین کے واقعات (تین جلد)	اردو
۲۱	مسنون وظائف	اردو، گجراتی، انگریزی
۲۲	منتخب مسنون دعائیں	اردو
۲۳	بیعت	اردو، گجراتی
۲۴	آسان حج	گجراتی
۲۵	اسلام کا امن اور شانتی کا پیغام	گجراتی، ہندی
۲۶	حج کے پانچ ایام	گجراتی
۲۷	بمبئی سے مکہ مکرمہ	گجراتی
۲۸	زیارتِ مدینہ منورہ	گجراتی
۲۹	مختصر عرفات کے اعمال اور دعائیں	اردو
۳۰	مکتب کے بچوں کے لیے منتخب مسنون دعائیں	اردو، گجراتی، ہندی
۳۱	تذکرۂ قاریانِ بارڈولی	اردو

۳۲	فیضِ سلیمانی (سوانح والد ماجدؒ)	اردو، گجراتی
۳۳	حضرت شیخ الہندؒ اور ریشمی رومال	گجراتی
۳۴	مسلمانوں کا خزانہ	گجراتی
۳۵	حدیث میں آئے ہوئے خواتین کے واقعات	اردو، گجراتی
۳۶	آپ درسِ قرآن کیسے دیں؟ (مضمون)	اردو